دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ

ماہنامہ الحق

زیر سرپرستی: شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبدالحق، بانی و مہتمم دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشا

لہ دعوۃ الحق

قرآن و سنّت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

اس شمارہ میں

نقشِ آغاز	مولانا سمیع الحق	۲
بعض اعمال صالحہ کی خاصیتیں	شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ	۶
قرآن کریم کا اعجاز اور صداقت	حضرت علامہ شمس الحق افغانی مدظلہ	۱۳
حیاتِ مسلم کی ایک جھلک	حضرت مولانا محمد میاں صاحب ۔ دہلی	۲۱
تلاشِ حق میں امام غزالیؒ کی صحرا نوردی	مولانا ابوالحسن علی ندوی	۲۸
عقیدۂ آخرت جدید تحقیقات کی روشنی میں (اخلاقی اور کائناتی تقاضے)	جناب وحیدالدین خاں صاحب	۳۴
مسئلہ توسل پر ایک نظر	مولانا عبدالحمید صاحب سواتی	۴۰
دل کی روشنی کی وجہ سے دلیل کی ضرورت نہیں	شیخ نجم الدین کبریٰؒ	۵۵
افکار و تاثرات	قارئین	۵۶
تعارف و تبصرہ	س ۔ ح	۶۰

جلد نمبر ۲ — شمارہ نمبر ۹ — صفر المظفر ۱۳۸۷ھ — جون ۱۹۶۷ء

زر سالانہ چھ روپے — فی پرچہ ۵۰ پیسے

غیر ممالک سالانہ ۱۶ شلنگ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ طابع و ناشر نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

نقشِ آغاز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قومی اسمبلی کے ایک وقفہ سوالات کے دوران ایک سوال کے جواب میں بتایا گیا کہ اسلامی مشاورتی کونسل کو قائم ہوئے پانچ سال گذر چکے ہیں۔ اس عرصہ میں کونسل کے پچپن اجلاس ہوئے اور ممبروں کی تنخواہوں، الاؤنسوں اور سفرخرچ وغیرہ پر پانچ لاکھ ۲۲ ہزار نو سو تیرہ روپے خرچ ہوئے ——— (نوائے وقت۔ ۲۴ مئی ۱۹۶۷ء)

مگر سوال یہ ہے کہ ان خطیر اخراجات کے نتیجہ میں کتنے دینی وعلمی مسائل منقح ہوئے؟ کتنے مسائل تھے جن کا کوئی شرعی حل اور تحقیقی جواب اسلامی وفقہی ذخائر میں موجود نہ تھا۔ مگر کونسل نے اس کی شرعی حیثیت کو واضح کیا؟ اور پھر بڑی بات یہ کہ کونسل کی کتنی سفارشات تھیں جنہیں عملی جامہ پہنایا گیا۔ کونسل نے اگر دو ایک فقہی حوادث ونوازل از قسم بنکنگ نظام، انشورنس یا بیمہ وغیرہ پر قرآن وسنت کی روشنی میں دیانتدارانہ رائے اور متبادل اسلامی صورتیں پیش کی ہوتیں تو بھی یہ سرکاری "دارالافتاء" اپنی کچھ اہمیت تو منوا لیتا۔ مگر یہاں تو کسی مسئلہ کے ابہام واغلاق رفع کرنے اور حرام ومشتبہ حیثیت واضح کرنے کی بجائے انہیں "اسلامیانے" کی کوششیں ہو رہی ہیں۔ اور سود وشراب جیسے قطعی مسائل اب تک کونسل کے لئے مشقِ تحقیق بنے ہوئے ہیں ——— دراصل اسلام کے تمام تحقیقی اور علمی امور اپنے تکمیل ونتائج میں سراسر اخلاص، دیانت، خوف وللہیت، علمی تبحر وبصیرت، دینی تصلب، تفقہ، اصابت رائے، صحت عقائد، احتساب علی اللہ، تقویٰ اور خشیت، احترام سلف، اور پورے اسلامی ورثہ کے تقدس وعظمت پر مبنی ہے۔ نہ کہ فکری زیغ علمی بے بضاعتی، غیروں کی ذہنی غلامی اور تقلید افرنگ، طمع ولالچ، بھاری بھر سرکاری بجٹ اور امراء وحکام کی سرپرستیوں پر ———

اپنی تاریخ پر ایک سرسری نگاہ ڈالئے، ملت محمدیہ (جس کا وصف خصوصی اور شان اعجازی علم ومعرفت ہی ہے) کے کتنے قابل فخر امام اور فرد فرید فرزند ہیں جو تنہا اپنی ذات میں ایک انجمن تھے اور جو اپنے پیچھے علم وتحقیق، تصنیف وتالیف اور اجتہادات واستنباطات کی ایک دنیا چھوڑ کر چلے گئے۔ پھر ان کے یہ نادرہ روزگار کارنامے نہ تو کسی انجمن اور اکیڈمی کی رہین منت تھے اور نہ کسی ہسٹاریکل سوسائٹی اور ایجوکیشنل کانفرنس کے۔ ان کی پشت پر نہ تو کوئی عظیم وخطیر شاہی دولت ہوتی تھی نہ علوم وفنون

سے معمور لائبریریاں اور تحقیقاتی ادارے ، بلکہ یہ ان مذکورہ اوصاف عالیہ ہی کی کرشمہ سازیاں تھیں کہ ان علماء اور مصنفین میں سے کئی ایک نے وہ وہ علمی کارنامے صحیفۂ عالم پر ثبت کئے کہ اپنی وسعت اور گہرائی کے لحاظ سے اکیلی جان پر پوری امت کہلانے کے مستحق بنے ۔ جن کے علمی و استنباطی نقوش سے آج بھی زمانہ کی ستم کاریوں کے باوجود عرب و عجم اور مشرق و مغرب کے خزانے معمور ہیں ۔ امتِ محمدیہ کے ایک فرد فرید صاحبِ ہدایہ کے استاد نے ایک ہزار سے زائد جلدوں میں قرآن کریم کی تفسیر لکھی ۔ ابن عربیؒ نے قرآنِ کریم کی تفسیر لکھنی شروع کی تو صرف سورہ کہف تک اسی۸۰ جلد مکمل ہوئے ۔ اگر اجل موعود نے تکمیل کا موقعہ دیا ہوتا تو شاید ایک سو ساٹھ۱۶۰ جلدیں بن جاتے ۔ اور اس میں تعجب کیا جب کہ ان ہی شناورانِ بحرِ قرآنی کے ایک مایۂ ناز فرد امام فخر الدین رازی کا قول ہے کہ صرف سورۃ فاتحہ سے ایک ہزار مسائل نکالے جاسکتے ہیں ۔ ان دلق پوش فقراء میں سے ایک امام محمد سرخسیؒ ہیں جو اقتدار کی تمام نوازشوں سے نہ صرف محروم بلکہ معتوب تھے ۔ جنہوں نے زندان کے "چاہ سیاہ" میں بیٹھ کر اوپر سے لکھنے والے شاگردوں کو ۳۰ جلدوں پر مشتمل ہزارہا صفحات کی وقیع علمی ، قانونی اور فقہی کتاب مبسوط املاء کرائی جو آج کسی بڑی سوسائٹی اور اکیڈمی کے بس میں نہیں ۔ ابن جریر طبری نے قلم برداشتہ اسی۸۰ جلدوں میں قرآن کریم کی تفسیر لکھی ۔ یعقوب بن ابی شیبہؒ نے اپنی مسند کے لئے دو سو جلدوں کا تخمینہ لگایا ، اور امت محمدیہ کے ایک فرزند جلیل کی ایک تصنیف کے لئے چالیس۴۰ کاتب متعین ہوئے ۔ یہ ان لوگوں کی کسی ایک تصنیف کی مجلدات کی تعداد ہے ۔ پھر ان میں سے کتنے ہیں کہ ان کی ضخیم تصانیف کی تعداد دہائیوں اور سینکڑوں بلکہ ہزار سے متجاوز ہو چکی ہیں ۔ یہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور شیخ جلال الدین سیوطیؒ ہیں اور یہ ہمارے قریبی عہد کے حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی جن کی بلند پایہ علمی تالیفات کی تعداد سینکڑوں بلکہ ہزار کے لگ بھگ ہے ۔ پھر علم و فن کی یہ فتوحات صرف علوم دین و شریعت اور ان کے سینکڑوں شعبوں تک محدود نہ تھیں بلکہ دنیا بھر کے علوم از قسم طبعیات ، الٰہیات ، تاریخ ، ریاضی ، جغرافیہ ، طبقات الارض ، معاشیات و معاشرت ، جبر و حساب ، حکمت و طب ، کیمیا ، ہندسہ و ہیئت ، سیاست ، عمرانیات ، تجارت و حرفت ، تعمیرات و انجینئرنگ ، سائنس و فلسفہ وغیرہ کے مرتب و مدون بلکہ اکثر کے موجد بنے ۔ یہ سب نبی امی (علیہ السلام) مگر علم الاولین والآخرین کے شان اعجازی کے کرشمے تھے ۔ انہی کا فیض ، انہی کا پرتو ۔ مگر جب غور و فکر کے رشتے اس سرچشمہ علوم اور منبع معرفت سے کاٹ دیئے گئے ذہن اوروں کے غلام ہو گئے اور نگاہیں غیروں پر جم گئیں تو علم و حکمت کے وہ سوتے خدا نے خشک کر دئے ۔ روح القدس نے اپنی مدد کھینچ لی اور اب ہمارے سکالر ، محقق اور فلاسفر صرف غیروں کے نقال و ترجمان بن کر رہ گئے ۔ ان بے جان لاشوں کا مصرف صرف

ریب کی صدا اور گونج دہرا رہا ہے۔ اولٰئک کالانعام بل ھم اضل ؎ والناس میتٌ واہل العلم احیاء۔ سیاست و سطوت کے ساتھ حکمت و معرفت اور اقتدار و حکومت کے ساتھ علم اور دین کی دولت بھی چھن گئی..... فانا للہ وانا الیہ راجعون۔ ؎

جلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہوگا — کریدتے ہو جو اب راکھ جستجو کیا ہے

ملک و قت کے اخلاق و کردار اور تمدن و معاشرت ..... کو ڈائنا میٹ کرنے کے لئے خاندانی منصوبہ بندی کے نام سے جو بارودی سرنگیں بچھائی جارہی ہیں اس کے چند ایک تازہ نمونے ملاحظہ ہوں :

کمشنر برتھ کنٹرول مسٹر انور عادل نے کہا ہے کہ ضبط تولید کے ذرائع کا استعمال چوری چھپے کیا جاتا ہے اس تحریک کو کامیاب بنانے کیلئے ضروری ہے کہ لوگوں میں اس تحریک کے متعلق شرم و حیا کا پردہ چاک کرنے کیلئے موثر اقدامات کئے جائیں۔ شرم و حیا، اور عفت و عصمت کا پردہ چاک کرنے کی یہ دعوت سنتیاگو میں والدین کی بین الاقوامی کانفرنس میں دی گئی۔ انہوں نے کہا کہ عوام کو اس سلسلہ میں ہر ممکن آسانیاں اور مانع حمل اشیاء فراہم کی جائیں (ماخوذ از جنگ کراچی ۱۰ اپریل ۱۹۶۷ء) امریکہ کی ایک خبر سے معلوم ہوتا ہے کہ امریکی امداد سے پاکستان میں اسقاط حمل کی گولیاں تیار کرنے کا ایک کارخانہ قائم کیا جارہا ہے۔ (نوائے وقت ۱۲ مئی ۱۹۶۷ء) ..... اور جس مقصد کیلئے قوم و ملت کا دامن حیاء و عصمت تار تار کیا جارہا ہے۔ اُس کی کچھ تازہ جھلکیاں بھی ملاحظہ ہوں ؛ ہمبرگ کی ایک خبر ہے کہ مانع حمل گولیوں کے استعمال سے عورتوں کی جنسی خواہشات میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ معاشی اور سیاسی میدان میں مساوی حقوق کے حصول کے بعد اب عورتیں اخلاقی روایات کو پس پشت ڈال کر جنسی معاملات میں بھی مرد جیسا کردار انجام دینا چاہتی ہیں۔ یہ مسئلہ آجکل مغربی جرمنی کے ڈاکٹروں، سائنسدانوں اور ماہرین نفسیات و جنسیات کیلئے موضوع بحث بنا ہوا ہے۔ امریکن سوسائٹی آف فیملی پلاننگ کے سائنسدان، جرمن ماہرین جنسیات و پیدائش سب اس نتیجہ پر متفق ہیں۔ ہمبرگ کے ڈاکٹر ہرٹا اسٹول نے لکھا ہے کہ یہی وجہ ہے کہ جدید دور کی عورت کے لئے وہ دن دور نہیں جب عشق و محبت اور شہوت رانی کے میدان میں عورتیں مردوں سے بہت آگے نکل جائیں (ماخوذ از جنگ کراچی ۱۹۶۷ء) ..... ادھر ایک ٹرسٹ اخبار رقمطراز ہے کہ نیوزی لینڈ خاندانی منصوبہ بندی ایسوسی ایشن کے صدر ڈاکٹر لیشن نے انکشاف کیا ہے کہ ان کے ملک کی بہت سی لڑکیاں خاندانی منصوبہ بندی سے بغاوت کرکے حاملہ ہوگئی ہیں۔ وہ والدین کے پنجوں سے نکل بھاگنا چاہتی ہیں۔ ڈاکٹر لیشن نے کہا کہ یہ اس لئے کہ وہ خود کو اب برائیوں سے محفوظ نہیں رکھ سکتیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔ اندازہ لگائیے کہ دلدادگانِ تہذیب فرنگ اور کشتگانِ اباحیت نے یہ سارا ڈھونگ کن مقاصد کیلئے رچایا۔ اور اس زہر کو تریاق

دکھانے کیلئے اس پر معاشی تکفل، منصوبہ، اور قومی ترقی کے کیا کیا لیبل لگائے گئے ــــ

~~~~~~~~~~~~

کراچی یونیورسٹی کی وساطت سے ہمیں جزائر فجی کے ایک تبلیغی ادارہ BROTHER HOOD OF ISLAM (اخوان المسلمین) کا ایک مراسلہ موصول ہوا ہے جس میں اسلامی و تبلیغی اداروں، اہل علم اور عام مسلمانوں سے دینی لٹریچر اور اسلامی علوم و فنون پر مشتمل کتابوں کی اپیل کی گئی ہے۔ مراسلہ میں کہا گیا ہے کہ جزائر فجی کی کل آبادی پانچ لاکھ ہے جس میں مسلمانوں کی تعداد چالیس ہزار ہے جو انڈیا وغیرہ سے ہجرت کر کے یہاں آباد ہوتے ہیں اور اب مزدوروں کی سی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ان کی اکثریت اسلام کی بنیادی تعلیمات تک سے بے خبر ہے جس کے نتیجہ میں وہ باطل مذاہب کا شکار ہو رہے ہیں۔ ان باطل مذاہب والوں میں قادیانی خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں جو مسلمانوں کے بھیس میں ارتداد و گمراہی پھیلا رہے ہیں۔ فجی کے مذکورہ تبلیغی ادارہ کے صدر نے اپنے مراسلہ میں لکھا ہے کہ ہم نے تعلیم و تبلیغ کی غرض سے ایک تبلیغی ادارہ قائم کیا ہے جس کا پہلا قدم اسلامی لٹریچر کی فراہمی اور لائبریریوں کا قیام ہے۔ جس کیلئے نہ ذرائع ہیں نہ وسائل۔ پاک و ہند کے تمام تبلیغی اداروں اور عام مسلمانوں سے تعاون کی اپیل کی جاتی ہے۔ اس پتہ پر دینی لٹریچر بھیجا جا سکتا ہے۔

68 SUVA STREET
G.P.O. BOX 622 SUVA FIJI ISLAND.

مراسلہ کی اہمیت واضح ہے۔ وہ تمام مسلمان جو غیر مسلم اکثریت یا دور دراز غیر مسلم علاقوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ اسی جہالت اور مذہب سے بے خبری کا شکار ہیں۔ باطل مذاہب خاص طور سے قادیانی ارتداد و ضلالت کی تلوار ان کے سروں پر لٹک رہی ہے۔ عیسائی مشنریوں کا عفریت اس لقمۂ تر کو ہڑپ کرنے کیلئے منہ کھولے غرا رہا ہے۔ اور صادق و مصدوق علیہ السلام کی اس پیشگوئی کا ظہور ہے کہ یوشک ان تداعی علیکم الامم کما تداعی الاکلۃ الی قصعتہا (او کما قال علیہ السلام) (قریب ہے کہ کافر قومیں ایک دوسرے کو تمہارے اوپر ایسا اکٹھا کریں گی جسطرح دسترخوان پر کھانے والوں کو جمع کیا جائے۔) اور یہ کیوں؟ صادق و مصدوق نے اسکی وجہ بھی بتلا دی کہ تم تعداد میں اگرچہ اسوقت بہت زیادہ ہوگے مگر سیلاب کی جھاگ کی مانند جسکی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ ولکنکم غثاءٌ کغثاء السیل ـــ کیا یہ حالات ہماری غفلت، فرائض منصبی سے گریز اور ملی و دینی غیرت کے فقدان کا نتیجہ نہیں ہیں۔؟ ـــ اے خیر امت ہونے کے دعویدار و کیا تمہیں دشمن کی برق رفتاری اور اپنے جمود و غفلت پر کبھی غور کرنے کی توفیق میسر نہ ہوگی؟ فیا عجبا من جد ھولاء فی باطلھم وفشلکم عن حقکم (علی بن ابی طالب) ہائے افسوس اہل باطل کی اپنے باطل کیلئے تگ و دو اور حق کی راہ میں تمہاری سستی اور بے پروائی ـــ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

سمیع الحق
۱۵ صفر ۱۳۸۴ھ
~~~~~~~~~~~~

دعوات عبدیت حق

ضبط و ترتیب ادارۂ الحق

از ارشادات حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ

بعض اعمال صالحہ کی خاصیتیں

خطبہ جمعۃ المبارک ۱۸ر رجب مطابق ۴ر اکتوبر ۱۹۶۶ء

وعن ابی هریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ علیہ وسلم ما نقصت صدقۃ من مال وما زاد اللہ عبداً بعفوٍ الا عزاً وما تواضع احد للہ الا رفعہ اللہ۔[1]

اس حدیث میں جو آپ کے سامنے پڑھی گئی تین چیزوں کیطرف توجہ دلائی گئی ہے، اور بعض اعمال کے ثمرات اور خاصیتوں کو اشارہ فرمایا ہے۔ خداوند کریم نے ہر ایک شے کے کچھ ظاہری اسباب پیدا کئے ہیں اور کچھ حقیقی، جو ہماری نگاہوں سے اوجھل ہیں۔ شریعت نے ان حقیقی اسباب پر روشنی ڈالی ہے مثلاً ایک شخص عمر کی زیادتی چاہتا ہے تو اس کے ظاہر اسباب تو یہ ہیں کہ صحت کی رعایت رکھے، مقوی غذائیں کھائے۔ ورزش کرتا رہے۔ ہر کام میں بے اعتدالی سے بچتا رہے۔ مضر صحت اشیاء سے پرہیز کرتا رہے، مگر باطنی سبب کیطرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ زیادہ عمر کی تمنا رکھنے والے کو چاہئے کہ صلہ رحمی کرے لوگوں کے ساتھ احسان کرے۔ فرمایا: ولا یزید فی العمر الا البر۔ عمر کی زیادت نیکی اور احسان سے ہی ملتی ہے۔ اور فرمایا: من احب ان یبسط لہ فی رزقہ وینسأ لہ فی اثرہ فلیصل رحمہ[2]۔ جو شخص کہ رزق کی فراخی اور عمر کی زیادتی چاہتا ہو تو صلہ رحمی کرے۔

اسی طرح والدین کی خدمت کرتا رہے۔ عالم ہونے کا ظاہری سبب محنت مطالعہ درس و تدریس ہے۔ مگر حقیقی اسباب تقویٰ و خشیت، اخلاص نیت اور اساتذہ و شیوخ کا ادب کرنا ہے، ورنہ علم میں برکت نہیں ہوگی۔ امام سرخسیؒ کسی جگہ تشریف لے گئے وہاں ان کے جتنے شاگرد تھے اس پاس

---

[1] مشکوٰۃ ج ۲ ص ۱۶۷، مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۵، ص ۳۸۶ [2] مشکوٰۃ متفق علیہ ص ۴۱۹

سے خدمت میں حاضر ہوئے کہ استاد سے ملاقات کریں۔ ایک شاگرد نے آنے میں سستی کی آخر میں آئے، امام سرخسیؒ نے وجہ پوچھی تو کہا میری والدہ بہت کمزور اور ضعیف ہے اسکی خدمت کے لئے کوئی دوسرا شخص تھا نہیں، خدمت میں لگا رہا۔ اس لئے آپ کی خدمت میں حاضری میں دیری ہوگئی۔ امام سرخسیؒ نے فرمایا کہ اسکی عمر تو بڑی ہوگی مگر علم میں برکت نہ ہوگی۔ یہ بددعا نہ تھی بلکہ عمل کی خاصیت تلادی۔ کہ استاد کی خدمت سے علم میں برکت ہوتی ہے۔ جو استاد اور شیخ کا ادب واحترام نہ کرے وہ چاہے جتنا بڑا عالم ہو جائے اس کا فیض عام نہ ہوگا۔ شاگرد کو سب کچھ ادب کی برکت سے ملتا ہے اور والدہ کی خدمت کا خاصہ یہ ہے کہ اسکی عمر میں اضافہ ہوگا۔ حضورؐ نے فرمایا اللہ کی رضامندی اور خفگی والدین کی خوشنودی اور خفگی میں ہے۔

بغداد میں دو طالب علم تھے ایک بزرگ کا انہوں نے حال سنا وہاں حاضر ہوئے، ایک تو اس خیال سے کہ اس شخص کی علمیت معلوم کروں اس سے بحث ومباحثہ ہو، دوسرا اس غرض سے کہ میرے حق میں یہ بزرگ دعا دیں، علم حاصل کروں۔ ایک ادب کے لحاظ سے گیا۔ ایک غرور اور عجب میں مبتلا ہو کر گیا۔ ذہین تھا، محقق تھا، جاتے ہی مناظرہ شروع کیا، مسائل میں اس بزرگ کو خاموش کرنے کی کوشش کی، دوسرا ادب سے خاموش بیٹھا رہا۔ بزرگ نے خود پوچھا تم کیسے آئے ہو فرمایا حضرت میں تو صرف دعا اور استفادہ کیلئے حاضر ہوا ہوں، بزرگ نے آثار سے معلوم کیا کہ اس شخص کا تمام اولیائے وقت پر اثر ہوگا، اس سے ایک عالم فیض پائے گا۔ یہ طالب علم آگے چل کر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے نام سے مشہور ہوئے۔ دوسرا حکومت کی جانب سے سفیر ہوا۔ اس کے نفس کا غرور اور عجب بڑھتا رہا چند یوم کے بعد ایک عیسائی عورت پر فریفتہ ہوا اس کے کہنے پر اسلام کو چھوڑ دیا۔ اور اس کے خنزیروں کے ریوڑ چرانے لگا عشق نے ہر طرح ذلیل و رسوا کر دیا۔ سینہ سے تمام علم اور قرآن مجید اٹھوا دیا گیا۔

اس طرح حضورؐ نے بعض گناہوں کی خاصیت بتلا دی کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو ہم اور غم میں مبتلا کر دیتا ہے جس کے گناہ حد سے بڑھے ہوئے ہوں۔ بظاہر اس غم کے اسباب معلوم نہیں ہوتے مگر یہ اندرونی فکر پریشانی اور بے چینی میں گھلتا رہتا ہے۔ اذا کثرت ذنوب العبد ابتلاه الله فی الھم۔ جب انسان کے گناہ زیادہ ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اسے پریشانیوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔

بعض گناہوں کے نتیجہ میں انسان رزق سے محروم ہوتا ہے اور بسا اوقات مال و دولت کی فراوانی کے باوجود "معیشت ضنک" یعنی تنگی اور عسرت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ حدیث میں ہے۔۔۔ وان الرجل لیحرم الرزق بالذنب یصیبہ[1] انسان بسا اوقات گناہ کے سبب اس رزق سے

---

[1] مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۱۹

محروم ہو جاتا ہے جو اسے پہنچنے والا ہو۔

بعض اعمال صالحہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اتنی قبولیت پاتے ہیں کہ اس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ تمام گناہ معاف کر دیتے ہیں۔ اور وہ عمل کفارہ سئیات بن جاتا ہے۔ اور بعض اعمال اتنے بُرے کہ اسکی وجہ سے تمام حسنات اور نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں۔ مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ادنیٰ بے ادبی یہاں تک کہ اونچی آواز سے بولنے کا اثر بھی حبطِ اعمال ہو جاتا ہے یعنی اعمال غارت ہو جاتے ہیں۔ مذکورہ حدیث میں حضور علیہ السلام نے تین چیزوں کا ذکر فرمایا ہے۔ اور یہ تینوں چیزیں آج بھی سب لوگ چاہتے ہیں۔ ۱۔ مال میں ترقی اور حلال کمائی میں اضافہ اور برکت ہو۔ ۲۔ عزت حاصل ہو جائے ۔ ۳۔ لوگوں میں سر بلندی حاصل ہو۔۔۔۔ تو حضور اقدسؐ نے فرمایا کہ صدقہ دینے کی وجہ سے مال میں ہرگز کمی نہیں آتی بلکہ اضافہ اور برکت ہوتی ہے۔

صدقہ عربی میں صدق سے ہے۔ یعنی سچائی اور اس کا نام اسوجہ سے صدقہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام پر مال و دولت دینا دعویٰ اسلام اور مسلمان ہونے کی صداقت کی دلیل ہے۔ جان کو قربان کرنا بسا اوقات آسان ہوتا ہے۔ مگر مال کی قربانی بہت مشکل معلوم ہوتی ہے۔ جان کے ساتھ مال کی قربانی وہی شخص کر سکتا ہے جو سچا مسلمان ہو ورنہ محض دعویٰ ہے ۔۔۔ صدقہ انسان کی صداقت پر دلالت کرتا ہے اور وہی دے سکتا ہے جس کا توکل اعتماد اور بھروسہ ہو اللہ تعالیٰ پر کہ وہی رزق کا کفیل ہے، وہی میرے مال کو بڑھائے گا، تو حضورؐ نے فرمایا کہ صدقہ کی وجہ سے مال گھٹتا نہیں بلکہ بڑھتا جائے گا۔ آخرت میں ثواب زیادہ ہوگا۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص قبر سے اٹھے گا تو اس کے سامنے جبل احد کے برابر نیکیوں کا پہاڑ آجائے گا۔ کہ یہ تمہاری نیکیاں ہیں۔ وہ دل میں حیران ہوگا کہ اتنی نیکی تو میں نے نہیں کی، یہ پہاڑ برابر نیکیاں کہاں سے آئیں۔ جواب میں فرمایا جائے گا کہ ایک کھجور جو حلال کمائی سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں تم نے اخلاص سے دی تھی، اسے اللہ تعالیٰ بڑھاتا رہا اور اب پہاڑ کی شکل میں تمہارے سامنے ہے۔ ابوہریرہؓ کی روایت میں ہے کہ کھجور برابر صدقہ کو خداوند تعالیٰ اپنے ہاتھ سے پالتے ہیں جسطرح تم کسی گھوڑے کے بچے کی پرورش کرتے ہو۔ یہاں تک کہ وہ پہاڑ کے برابر ہو جائے۔۔ [1]

سود | آجکل سود کا کاروبار کرنے والے اور کھانے والے سمجھتے ہیں کہ ہم بڑھ رہے ہیں اور ترقی کر رہے ہیں۔ مگر درحقیقت مٹ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یمحق اللّٰہ الربٰوا ویربی الصدقات۔ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔

برطانیہ سودی کاروبار کا علمبردار ہے، ایک وقت برطانیہ پر ایسا تھا کہ اسکی سلطنت میں سورج

---

[1] مشکوٰۃ ج ا ص۱۶۷ متفق علیہ

غروب نہیں ہوتا تھا۔ مگر سود کے نتیجہ میں وہ ایسا تباہ ہوا کہ آج وہ ایک جزیرہ میں سمٹ کر رہ گیا ہے۔ اس پر نزع کی حالت طاری ہے۔ یہی حال امریکہ کا ہو رہا ہے، ایک ویٹ نام میں کروڑوں اربوں روپے خرچ کر رہا ہے، سامانِ جنگ اور سرمایہ تباہ ہو رہا ہے۔ چیختا اور چلاتا ہے کہ کسی طرح پیچھا چھوٹ جائے بظاہر وہ سمجھتا ہے کہ میرے پاس سرمایہ بہت ہے۔ مگر نتیجہ اس سودی سرمایہ کا اب بھگت رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ حلیم ہیں پکڑتے ہیں مگر آہستہ آہستہ ـــــ تو سود کا بالآخر انجام یہی ذلت اور خواری ہے، کوئی سودی لین دین بھی ہو تجربہ کر لیں، دس بیس سال ظاہری ترقی ہوگی، پھر در بدر دھکے کھائے گا اور بچے دربدر ٹکڑے ٹکڑے کے لئے پھرتے رہیں گے اگر نیکی اور بدی کا نتیجہ دنیا میں اسی وقت ظاہر ہوتا تو یہ ابتلاء اور آزمائش کے خلاف ہوتا ـــــ اللہ تعالیٰ حکیم اور حلیم ہیں، چاہتے ہیں کہ بندوں کا ایمان بالغیب رہے۔ اگر اعمال کا نتیجہ آج ہی ظاہر ہو تو ایمان بالغیب نہ رہے گا۔ خدا کی نظر تو لامتناہی ہے۔ ہم تو آج کا دن ہی دیکھتے ہیں۔ مگر خدا کے سامنے تو قبر کی طویل زندگی۔ پھر قیامت کا دن جو پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔ پھر جنت اور دوزخ کی لامتناہی زندگی بھی ہے ـــــ وان یوماً عند ربک کالف سنۃ مما تعدون۔ تمہارے گنتی کے ہزار سال اللہ کے نزدیک ایک یوم کے برابر ہیں۔

اگر دنیا میں باوجود گناہ کے ایک ہزار سال بھی راحت سے مل جائیں، تو گویا ایک دن کی راحت ہے، جو ابدی زندگی کے مقابلہ میں ہیچ ہے۔ انسان کو نتائج اعمال بھگتانے کیلئے وسیع میدان اور طویل زندگی پڑی ہوئی ہے۔ یہاں ہزار سال بھی کوئی عیش و عشرت میں رہے تو خدا کے ہاں یہ ایک دن کے برابر بھی نہیں۔ تو سود کو خدا تعالیٰ مٹاتا اور نیکی کو اتنا بڑھاتا ہے کہ کھجور برابر نیکی پہاڑ کے برابر ہو جاتی ہے۔ اگرچہ دنیا دار العمل ہے، دار الجزاء نہیں۔ مگر پھر بھی صدقہ کا اثر دنیا میں ظاہر ہوگا کہ مال میں نقصان نہ ہوگا اور برکت و غنائے نفس اسے میسر ہوگا۔ تجربہ اس کا شاہد ہے ـــــ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک شخص قبر سے خالی ہاتھ، ننگے سر اور پاؤں اٹھایا جائے گا، پھر خداوند تعالیٰ کے پاس پیش ہوگا، بیچ میں ترجمان ہوگا۔ نہ کوئی وکیل صفائی نہ کوئی ساتھی اور غمخوار جس کی وجہ سے رعب و ہیبت کم ہو۔ اللہ تعالیٰ ہر شخص کے ساتھ خود ہی حساب و کتاب فرمائے گا۔ یہ شخص ہر طرف دیکھے گا۔ دائیں بائیں سامنے پیچھے ہر طرف جہنم میں محصور ہوگا۔ یہ بے چارہ اب سوچے گا کہ کیا کیا جائے کوئی مددگار نہیں۔ اتنے میں جہنم کی آگ کے سامنے کھجور کا ایک ٹکڑا اس پر بن جائے گا، جو آگ کو اس سے چھونے بھی نہ دے گا۔ ایسے وقت کے لئے حضور اقدس ﷺ فرماتے

ﻟﮧ عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال انکم محشورون حفاۃ عراۃ غرلاً۔ مشکوٰۃ ص ۴۸۳

ہیں : اتقوا النار ولو بشق تمرۃ ۔ آگ سے بچو خواہ کھجور کے ایک ٹکڑے سے کیوں نہ ہو۔

اس ارشاد کا دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ اگر کسی مسلمان کا آدھی کھجور کے برابر بھی حق مارا ہے تو اگر اسے واپس کردو تو آگ سے بچ جاؤ گے ۔ ورنہ آگ کیلئے تیار رہو۔ ہمارا نفس ہمیں جہنم میں لے جانا چاہتا ہے۔ مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پکڑ پکڑ کر آگ سے بچا رہے ہیں ۔ وکنتم علی شفا حفرۃ من النار فانقذکم منہا ۔ اور تم جہنم کے گڑھے کے کنارے پر تھے ۔ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ آپ کو آگ سے بچایا۔

حضور اقدس کی شفقت و رأفت ہمارے اوپر حد سے زیادہ ہے ، مگر وہ بھی فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن دیگر امتوں کے اعمال وعبادات پیش ہونگے ۔ کسی نے ہزاروں سال عبادت کی ہوگی ، کسی نے بے شمار حج کئے ہوں گے کسی نے زندگی بھر جہاد کیا ہوگا ، کہیں ایسا نہ ہو تم اس حال میں پیش ہو جاؤ کہ تمہاری گردنوں پر دوسروں کا اونٹ ، گھوڑا ، بھیڑ ، کسی کی جان ، کسی کی چادر کپڑا ، کسی کا مال و دولت ہو اور پھر مجھے پکارو کہ یارسول اللہ اغثنی[1] ۔ اے اللہ کے رسول میری مدد کر ۔ مگر میں اسوقت کہوں گا کہ میں کچھ بھی نہیں کرسکتا ۔ کیا میں نے نیکی اور بدی کے احکام تمہیں نہیں پہنچائے تھے ۔ تمہارے پاس کتاب وسنت اور نیک لوگوں کے مواعظ ونصائح نہیں پہنچے تھے ۔ کوئی کہے گا کہ اس نے چوری کی دوسرے کا فصل کاٹا ، کسی کا حق مارا ، تو یہ تمہاری رسوائی ہوگی دوسری امتوں کے سامنے ، کہ وہ تو نیک اعمال اور کارنامے حضرت حق جل مجدہٗ کی بارگاہ میں پیش کریں اور تم بدکاریوں کے کارنامے ـــــ

قربان جائیے حضرت رابعہؒ بصریہ عدویہ سے دن رات میں ہزار رکعت نفل پڑھا کرتی تھیں ۔ آجکل کی عورتیں فرض نماز نہیں پڑھتیں ۔ کسی نے ان سے کہا کہ تو تو بڑی خوش قسمت ہے کہ جنت میں جاؤگی ، دن رات بندگی میں مشغول رہتی ہو ۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ تو اللہ کی مرضی ہے کہ جنت بھیجے یا دوزخ میں ـ عبادت اس درجہ سے نہیں کرتی ۔ کہا کہ مجھے تو مذکورہ حدیث یاد آتی ہے ۔ رسولِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے دن ہماری وجہ سے پریشانی اور تکلیف نہ ہو ، اور ان کی انتہائی عظمت پر دھبہ نہ لگے ۔ بلکہ قیامت کے دن آواز ہو کہ حضور کی امت کی ایک عورت اور ایک روحانی بیٹی نے دن رات میں اتنی عبادت کی ، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت اور روحانی عظمت اور بھی چمک اٹھے ۔ چھوٹوں کی برائی پر بڑوں کو سخت صدمہ ہوتا ہے ۔ واللہ العظیم ہماری برائیوں اور بدکرداریوں کی وجہ سے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو صدمہ پہنچ رہا ہے ۔ پھر شفاعت کی امید کسطرح رکھیں ، غرض صحابہؓ نے صدقات دینے میں ایک دوسرے پر سبقت لی ۔ جو کچھ بھی طاقت ہوتی ، اس کے مطابق اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ دینے

---

[1] مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۲۹ عن ابی ہریرۃ الحدیث متفق علیہ ۔

سے دریغ نہ کیا۔ بخاری شریف میں تفصیلات موجود ہیں۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض غزوات کے لئے چندہ دینے کا اعلان فرمایا تو حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف جیسے تونگر حضرات ہزاروں دیدیتے اور کسی کے پاس کوڑی بھی نہ ہوتی تو صبح سے شام تک سامان کی ڈھلائی کرتے، مزدوری کرلیتے، شام کے وقت مزدوری میں جو چند کھجوریں مل گئیں وہی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لاکر جہاد کیلئے پیش کردیں کہ جہاد کے لئے یہی قبول فرمالیں۔ بعض نے رات بھر ایک ایک چھوہارہ پر ایک ایک ڈول نکالنے کی مزدوری کی اور صبح کی نماز میں حضورِ اقدسؐ کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے اپنی رات بھر کی کمائی پیش کردی ——

پھر اس انفاق فی سبیل اللہ اور ایثار کی برکت سے ایسا وقت آیا، کہ ان کے گھروں میں ایک ایک لاکھ پڑا رہا۔ امام بخاریؒ نے مالِ جہاد کی برکت پر مستقل باب باندھا ہے —— حضرت زبیرؓ پر ۲۲ لاکھ قرضہ تھا، قرض اتارنے کیلئے کچھ زمین بیچنی چاہی تو ۵ کروڑ ۹۰ لاکھ اسکی قیمت نکلی[1] لوگ امانات رکھتے تو حضرت زبیرؓ حفاظت کے خیال سے اسے بطور قرض رکھ لیتے۔ حضرت زبیرؓ کا کام ہی جہاد کرنا تھا، تو صحابہؓ کی قربانیوں کا ثمرہ انہیں دنیا میں بھی ملا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فارس و روم کے خزانوں کی کنجیاں ہاتھ میں دی گئیں اور وہ خزانے بہت جلد حضور کی امت میں آئے۔

دوسری چیز حضورِ اقدسؐ نے یہ ارشاد فرمائی، کہ کسی کے زور و ظلم اور زیادتی کرنے پر عفو و درگزر کرنے سے بے عزتی نہیں ہوتی، بلکہ اللہ تعالیٰ اسکی عزت بڑھا دیتے ہیں۔ کسی نے تم پر ظلم کیا، مارا پیٹا، گالی دی، بے ادبی کی، تم نے اسے معاف کردیا —— ہمارے پٹھان کہتے ہیں کہ اس سے ناک کٹتی ہے۔ یہ پٹھانیت نہیں، جہنمیت ہے۔ کتا اگر کسی کو کاٹے اور یہ بھی اسے کاٹے تو کیا یہ عزت ہوگی یا ذلت۔ تم بندوں کو معاف کردو خدا تمہیں معاف کردے گا۔ اگر کسی کو معافی نہ دو تو خدا سے کیسے عفو کے طلبگار ہو۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: صل من قطعک واعف عمن ظلمک واحسن الی من اساء الیک۔ جو تم سے الگ رہنا چاہے تم اس سے صلہ رحمی کرو، ظالم کو معاف کرو، جو تم سے برائی کا سلوک کرے، تم اس سے بھلائی کرو۔

عفو کی برکت سے لوگوں اور دشمن کے دلوں میں بالآخر تمہاری عزت بیٹھ جائے گی، ان کی دشمنی دوستی میں بدل جائے گی، وہ خود زیادتی پر نادم اور شرمندہ ہوجائیں گے۔ تو عفو اور درگزر کی خاصیت بالآخر مقرر ہونا ہے۔

تیسری چیز حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی کہ کسی نے اللہ کیلئے تواضع عاجزی اور مسکینی

[1] تفصیل بخاری شریف ج ۲ ص ۴۴۱

اختیار نہیں کی۔ مگر اللہ تعالیٰ اسے رفعت اور سربلندی عطا فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں عزت دی حکومت دی، دولت دی، عہدہ عطا فرمایا تو تم اس وقت متکبر نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کے لئے اپنے نفس کو نیچا کر دو۔ عربی مقولہ ہے: الوضیع اذا ارتفع تکبر۔ کمینہ شخص جو اونچا ہو جاتے تو متکبر ہوتا ہے۔ شریف جتنا بڑھتا ہے، اتنا ہی اپنے آپ کو کمتر سمجھنے لگتا ہے۔ جس نے تواضع اختیار کی اللہ تعالیٰ اسے اونچا کردے گا۔ جس نے کہا "میں ہوں" تو ہندوستان میں کہا کرتے ہیں کہ "میں کے گلے چھری"۔ انانیت اور غرور کا انجام ہلاکت ہوتا ہے، جس نے غرور کیا، سمجھ لیں کہ وہ مٹے گا۔ محمود غزنویؒ کا غلام ایازؒ جسے سلطانؒ نے قدر و منزلت کی وجہ سے بڑا درجہ دیا تھا، کہا کرتا تھا کہ "ایاز قدر خود بشناس"۔ ایک دفعہ وزراء نے اعتراض کیا کہ بادشاہ سلامت ایاز کی کیوں اس قدر عزت فرماتے ہیں۔ محمود غزنویؒ نے کہا اس کا جواب ختم اجلاس پر دیا جاوے گا۔ اجلاس کے بعد ایاز اپنے کمرہ میں پہنچا اور شاہی خلعت اتار دیتا، قدآدم آئینہ سامنے رکھتا۔ اور پہلے وقت کے پھٹے پرانے کپڑوں کو پہن کر اپنے نفس کو خطاب کرنے لگتا کہ ایاز تو غرور میں نہ آنا۔ تم اس لباس میں غلامی کیا کرتے تھے۔ ایاز قدر خود بشناس۔ آج جو شاہی لباس پہنے ہو اور شاہی دربار میں تجھے قدر و منزلت حاصل ہے، یہ محض خداوند کریم کے کرم اور محمود غزنویؒ کی ذرہ نوازی ہے۔ ایاز اپنے آپ کو نہ بھولنا۔ محمود غزنویؒ مع وزراء دریچہ میں چھپ کر دیکھتے تھے۔ وزراء سے کہا کہ ایاز کے اس پاکیزہ اخلاق کی وجہ سے میں اس کی قدر کرتا ہوں۔

حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص پیشاب کے دو قطروں سے پیدا ہوا اور فی الحال نجاست کا حامل ہو، اور فی المآل جس کی انتہا یہ ہو کہ گل سڑ کر بدبودار ہو جائے، کیڑے اسے کھائیں وہ کیوں بڑائی کرنے لگے اور تکبر کیوں کرے۔ تو انسان کا یہ ابتداء و انجام ہے تو غرور کس چیز پر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری ہر حال میں ضروری ہے۔ —— اللہ تعالیٰ ہمیں بہترین اعمال پر چلنے کی توفیق دے اور ان کی برکات و اثرات سے ہمیں مالا مال کر دے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

★ لوگوں کی نیکیوں کو ظاہر کرنا چاہیے، اور برائیوں سے چشم پوشی لازم ہے۔

★ خواہش پر غالب آنا فرشتوں کی صفت ہے۔ اور خواہش سے مغلوب ہونا چوپاؤں کی صفت ہے۔

★ بدخلقی نجاست باطنی کی دلیل ہے۔

★ نماز میں حضور قلب کی تدبیر یہ ہے کہ الفاظ کے معانی پر خیال رکھے۔

★ جو کام نبیؐ کے حکم کے خلاف ہو اگرچہ بشکل عبادت ہو، گناہ ہے۔

(امام غزالیؒ)

معارف قرآنیہ
ضبط و ترتیب ادارۃ الحق

ازافادات حضرت مولانا شمس الحق افغانی
شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ بہاولپور

قرآن کریم کا اعجاز اور صدق وحقانیت

اگر ضبط و ترتیب میں کچھ خامی رہ گئی ہو تو اسے مرتب کی جانب منسوب کیا جائے۔

اب تک ہم نے ضرورتِ وحی پر دس دلائل پیش کئے ہیں۔ اب ہم انشاء اللہ اپنے معروضہ کے دوسرے جزو القرآن وحی (قرآن وحی ہے) پر بھی دس دلائل پیش کریں گے۔ اس کا نام ہم نے صداقتِ قرآن اور اعجازِ قرآن رکھا ہے۔

ہمارا دعویٰ ہے کہ قرآن وحی الٰہی ہے۔ یہ خدا کا کلام ہے۔ دیگر خدائی کتابیں بھی تھیں مگر تحریف والحاق کی وجہ سے کلامِ الٰہی نہ رہیں۔ اب کلامِ الٰہی صرف قرآنِ مجید ہے۔

۱۔ دلیل تحدی یا بلاغی

قرآنِ کریم نے بھی اپنی صداقت و اعجاز پر اسی دلیل کو پیش کیا ہے۔ لہذا تبرکاً اس سے ابتدا کی جاتی ہے۔ گو یہ برہان قرآنِ مجید میں موجود ہے۔ مگر مفسرین نے اسکی تشریح پوری طرح نہیں کی۔ مختصراً ہم اسکو بیان کرتے ہیں۔ قرآنِ پاک میں ہے :

وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا	اگر تم شک میں ہو اس کلام سے جو اتارا ہم نے
فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شہداء	اپنے بندہ پر تو لے آؤ ایک سورۃ اس جیسی اور بلاؤ
کم من دون اللہ ان کنتم صادقین۔	اس کو جو تمہارا مددگار ہو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو۔

(البقرۃ)

اس دلیل کی تفصیل یہ ہے کہ ہمارا دعویٰ ہے کہ قرآنِ کریم کلام اللہ ہے۔ انسان کا نہیں، یعنی مومنین

کہتے ہیں کہ یہ کلام الٰہی ہے۔ اور منکرین اسے انسانی کلام کہتے ہیں، جیسے قرآن میں ہے ان ھذا الا قول البشر۔ (نہیں ہے یہ کلام مگر قول انسان کا۔)

اس کے علاوہ اور کوئی تیسری بات نہیں ہو سکتی یا تو خالق بشر کا قول ہے یا بشر کا۔ منکرین اسلام اور عیسائی کہتے ہیں کہ یہ کلام محمدی ہے اعجاز قرآن کے بارہ میں۔ علامہ خطابی اور علامہ رمانی، امام رازی، عبدالقادر جرجانی، علامہ باقلانی نے مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ علاوہ ازیں تفسیر کشاف، تفسیر کبیر، روح المعانی میں اعجاز قرآن پر مختلف مقامات میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ امام سیوطی فرماتے ہیں کہ اعجاز القرآن پر سب سے بہتر کتاب امام ابوبکر باقلانی کی ہے۔ امام باقلانی نے اعجاز قرآن سے بحث کی ہے، مگر اس زمانہ میں ان کے دلائل کامیاب نہیں ہو سکتے، کیونکہ دلائل زمانہ کی تبدیلی کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں جبکہ اصل وجہ ذوق کی تبدیلی ہے اور حقیقت تو یہ ہے، کہ ہدایت دلیل سے نہیں، فیضانِ الٰہی سے ہوتی ہے، اکبر مرحوم نے کیا خوب کہا ہے ؎

دلیلوں کی رسائی نقطۂ وہم و گماں تک ہے خدا کی ہدایت کرتی ہے نورِ یقین پیدا

یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ کلام الٰہی و انسانی کے علاوہ قرآن کریم کلام جنات بھی تو ہو سکتا ہے مگر ہمارے ان دلائل کا مخاطب جدید طبقہ ہے اور یہ لوگ وغیرہ جن کو مانتے نہیں اگر وہ اقرار کر لیں تو ان سے کہیں گے کہ لاؤ جن کا کوئی کلام جو قرآن کریم کا مقابلہ کر سکے۔

الغرض اس فیصلہ کے لئے کہ یہ کلام الٰہی ہے یا مخلوق کا کلام، ضرور کوئی معیار ممیز ہونا چاہیے۔ مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ اس عالم میں مختلف قسم کی چیزیں موجود ہیں، ہمارے سامنے موٹر، سائیکل، گاڑی، مشینری، مصنوعات انسانی ہیں۔ یعنی منسوب الی الانسان اور کچھ ایسی چیزیں بھی ہیں جو مصنوع خالق ہیں۔ جیسے آفتاب و ماہتاب یہ منسوب الی اللہ ہیں۔ آخر ان دونوں مصنوعات میں کوئی معیار ممیز تلاش کرنا چاہیے۔ تو تحقیق سے معلوم ہوتا ہے، کہ مصنوعات الٰہی کے بنانے سے انسان عاجز ہے۔ مثلاً ابھی تک اور نہ مستقبل میں کوئی امید ہے کہ ایسی مشین بن جائے یا کارخانہ لگ جائے۔ جہاں سے سورج اور چاند بنتے اور فروخت ہوتے ہوں۔ یا کسی کارخانہ میں سمندر یا کرۂ ارض بن رہا ہو۔ تو معلوم ہوا کہ معیار ممیز عجز ہے۔ یعنی مافوق القدرت کام خدا کا ہے اور ماتحت القدرت کام انسان کا ہے۔ یہی ضابطہ اب بھی ہے۔ اگر کلام دائرۂ انسان سے خارج ہو جائے تو ضرور دائرہ الٰہی میں داخل ہوگا۔ تو اب کلام کے متعلق ان امور کی ضرورت ہے۔

۱۔ قدرت ۲۔ مادہ ترکیبہ ۳۔ انموذج ۴۔ محرک

قدرت | اگر ہمیں ایک میز بنانی ہے اور ایک ایسے آدمی کو کہا جائے کہ میز بناؤ جو نجار نہیں،

تو وہ اسکی قدرت نہ رکھنے کی وجہ سے عاجز ہوگا۔

مادہ ترکیبہ | مثلاً بڑھئی کو کہیں کہ ہوا سے میز بناؤ، تو وہ میز بنانے پر تو قادر ہے مگر ہوا اسکی مادہ ترکیبہ نہیں اس لئے میز بنانے سے عاجز ہوگا۔

انموذج | مثلاً درزی کو کپڑا دیا گیا اسے قدرت بھی ہے۔ مادہ ترکیبہ (کپڑا) بھی دیا گیا ہے۔ لیکن نمونہ نہیں دیا گیا، اور کہا گیا کہ کوٹ بناؤ تو بوجہ نمونہ نہ ہونے کے وہ درزی کوٹ تیار کرنے سے عاجز ہوگا۔

محرک | چوتھی شرط محرک ہے۔ یعنی بغیر محرک اور موجب کے کوئی کام نہیں ہوسکتا۔ مثلاً ایک نجار نجاری کرتے کرتے امیر بن گیا ہے، اور اس نے کارخانہ قائم کردیا ہے۔ تو اسے اگر کہا جائے کہ تم میز تیار کرو جبکہ اسے قدرت بھی ہے، مادہ ترکیبہ بھی ہے، انموذج بھی ہے۔ لیکن محرک یعنی حاجت نہیں تو اس کے فقدان کی وجہ سے وہ چیز نہیں بنائے گا۔ ایسے ہی درزی کو لیجئے، اسے کپڑا دیا جاتا ہے، کپڑا سینے پر اسے قدرت بھی حاصل ہے، مگر کروڑپتی ہے، اس لئے محرک موجود نہیں ہے تو کپڑا نہیں سیئے گا۔

اب برہان تحدی کو لیجئے، ہم ان شرائط کا انطباق کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ پہلی شرط قدرت ہے کلام الٰہی جب نازل ہوا تو بلغائے عرب کو چیلنج کیا گیا کہ اگر تمہیں اس کے بارہ میں شک و شبہ ہو تو اس جیسا کوئی کلام پیش کرو۔

اب سوال یہ ہے کہ انہیں قدرت کلام پر حاصل تھی یا نہیں۔ یقینی بات ہے کہ ان کو بے مثال فصاحت و بلاغت حاصل تھی اور ان کے عرب نام پڑ جانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ عرب اظہار مافی الضمیر پر کمال قدرت کی وجہ سے اپنے کو عرب اور دوسروں کو عجم یعنی گونگا کہتے ہیں اور اپنی فصاحت و بلاغت کا دعویٰ کرتے اور اس کا چیلنج بھی کرتے تھے۔ مثلاً انہوں نے خانہ کعبہ میں سبعہ معلقات دلکائے ہوئے تھے اور چیلنج دیا ہوا تھا کہ کوئی ان کا جواب لائے، مگر دنیا ان معلقات کا جواب نہ دے سکی تو معلوم ہوا کہ وہ قادر علی الکلام تھے۔ ان معلقات میں سے پہلا قصیدہ امرء القیس کا ہے۔ اور عربی زبان کا چوٹی کا قصیدہ سمجھا جاتا ہے۔ ان معلقات میں سے ایک قصیدہ لبیدؓ بن ربیعہ کا ہے۔ لبیدؓ کی عمر ایک سو ساٹھ برس کی ہوئی، اسی سال کفر میں گزارے اور اسی سال بحالت ایمان۔ مگر لبیدؓ نے بحالت اسلام یعنی اپنی زندگی کے آخری اسی برس ایک شعر بھی نہیں کہا۔ جب اس سے وجہ پوچھی گئی تو اس نے کہا، استحییت من القرآن۔ (مجھے قرآن کریم کے ہوتے ہوئے شعر کہنے سے شرم آتی ہے) ——— وہ کہتا تھا کہ میرا کلام اس قرآن کے مقابلہ میں کس شان اور قدر کا ہوسکتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ انہیں قدرت حاصل تھی اور انہیں کسی بڑی سورت کے برابر نہیں بلکہ ایک چھوٹی سے چھوٹی سورۃ جو تین آیت کی ہو جیسے انا اعطینٰک الکوثر۔ کے برابر بنانے کو کہا گیا۔

پھر ان فصحاء و بلغاء کے مقابلہ میں آپ امی تھے، انہوں نے رسمی علم نہیں حاصل کیا۔ شعر و شاعری سے ہمیشہ الگ تھلگ رہتے اور آپ کو ایسی شہرت حاصل ہوئی کہ دنیا کو اعتراف ہے۔ باوجودیکہ آپ نے کبھی شعر نہیں کہا، جیسے کہ وہی کار ہے وہ الا جس نے نہ کبھی پڑھا ہو اور نہ کبھی شعر کہا ہو۔ اس کا غالب سے مقابلہ کیا جائے تو ظاہر ہے کہ غالب میں قدرت اور قوت کلام زیادہ ہے اور جس نے شعر نہیں کہا اسکو بغیر کہنے کی قدرت ہی نہیں۔ اسی طرح سے مخالفین میں قدرت اور قوت کلام بہت زیادہ تھی۔

مادہ ترکیب قرآن کی عبارت اسی مسالہ سے بنی ہے جو مسالہ ان کے پاس بھی تھا جیسے نجار کے پاس میز بنانے کے لئے لکڑی ہوتی ہے، یا لوہار کے پاس لوہا۔ عربی کے حروف ہجا ۲۸ یا ۲۹ ہیں اور یہی کلام عرب کا مسالہ اور مادہ ہیں۔ ان سے ہی قرآن کی عبارت بنی ہے۔ اور اس مادہ سے تمام عرب اپنا کلام بناتے تھے۔ قرآن کریم کے پاس بھی یہی مادہ تھا۔

انموذج ان کفار قریش کے سامنے نمونہ بھی موجود تھا۔ جب قرآن پاک نازل ہوتا تو انہیں پڑھ کر سنا دیا جاتا۔ اور خود قرآن نے یہ حکم دیا تھا کہ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ۔ اے رسول جو کچھ تیری طرف نازل کیا گیا اسے پہنچا دیجیے۔

محرک یقینی بات ہے کہ کفار کے پاس محرک بھی موجود تھا۔ قرآن پر ایمان نہ لانے اور انکار کرنے والوں میں جنگ جاری تھی۔ مؤمنین اسکو حق اور منکرین باطل چیز سمجھتے تھے۔ فتح و شکست، کامیابی اور ناکامی کا مدار صرف یہی رکھا گیا تھا کہ منکرین جب اس قرآن پاک کی ایک سطر کے برابر بنالیں تو منکرین فاتح سمجھے جائیں گے۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ جب کسی کو چیلنج کیا جائے تو بدن میں ایک آگ سی لگ جاتی ہے۔ اور فصحائے عرب جو ترکیب کلام میں اپنی نظیر کسی کو نہیں سمجھتے تھے، جب ان کے سامنے قرآن پاک کا دندان شکن چیلنج پیش ہوا ہو گا تو ان کو کیسی آگ لگ گئی ہو گی، اور یقیناً کوشش کی ہو گی کہ اس کا توڑ پیش کیا جائے۔ لیکن آجتک کسی سے اس کا جواب نہ بن سکا۔

آج یورپ و امریکہ تو ایجادات کی دنیا میں آسمان پر اڑتے ہیں۔ اور عربوں سے زیادہ اسلام کے دشمن لیکن یہ ناممکن ہے کہ تین آیات قرآن پاک جیسی پیش کر سکیں۔ جسطرح قاعدہ ہے، کہ مصنوعات الٰہی قدرت انسانی سے خالی ہیں کہ انہیں وہ بنا سکے۔ اسطرح کلام الٰہی بھی انسانی قدرت (معاذ اللہ) سے باہر ہے ——

معترضین کے اعتراضات عیسائی پادریوں خصوصاً پادری فنڈرے اور سکاٹ نے آفتاب قرآن پر دھول ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ کہ فصحاء و بلغاء عرب قرآن پاک کی مثل لانے پر قادر

تھے مگر انہوں نے ایسا کیا نہیں۔ اور نہ بنانے سے یہ لازم نہیں ہوتا کہ بنا نہیں سکتے تھے مگر یہ بات ان کی مکاریوں میں سے ایک مکاری ہے۔ کیونکہ ایسے مواقع کثرت سے آتے ہیں کہ جہاں نہ بنانا اور نہ بنا سکنا دونوں ایک ہو جاتے ہیں۔ مثلاً ایک لق و دق میدان میں ایک شخص پیاس کی شدت سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جائے اور دوسرا آدمی کہے کہ اس کے پاس مشک میں پانی موجود تھا۔ مگر اس نے پینا نہیں چاہا تو یہ دعویٰ قطعاً غلط ہوگا اور یہ کہا جائے گا کہ وہ آدمی پانی پی نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ پانی موجود ہی نہ تھا، یہ غلط ہے کہ وہ چاہتا تو پی لیتا مگر اس نے پیا نہیں، کیونکہ اسی پیاس ہی کی وجہ سے تو اس کی جان جا رہی تھی، اور ایسی شدید ضرورت کے علاوہ پانی کس کام کے لئے ہوگا۔ اب یقینی بات ہے کہ جو محرک اس پیاسے آدمی کے حق میں موجود ہے، ایسا محرک فصحائے عرب میں بھی موجود تھا، ان فصحاء اور بلغاء کفار عرب کی قرآن پاک سے مقابلہ کی دو صورتیں تھیں ایک مشکل اور ایک آسان صورت ---- آسان صورت تو یہ تھی کہ کم از کم --- انا اعطیناک کے مقابلہ کی کوئی آیت پیش کر دو۔ یہ مقابلہ لسانیہ (زبانی مقابلہ) تھا۔ اور آسان ترین تھا، رہی مشکل صورت تو وہ تھا مقابلہ سنانیہ یعنی تیر و تلوار سے مقابلہ کرنا، جیسے جنگ بدر، احد، خندق میں ہوا، اس مقابلہ میں ان کے اموال اور جان کا نقصان ہوا۔ اور انہیں سفر کی تکلیف بھی اٹھانی پڑی، تو یقینی بات ہے کہ یہ مقابلہ مشکل تھا بہ نسبت مقابلہ لسانیہ کے جو آسان تھا۔ ان کا مقصد آسان طریقہ سے حاصل ہو سکتا تھا۔ مگر انہوں نے اسے اختیار کرنے کی بجائے مشکل کو اختیار کیا۔ آخر کیوں۔؟ ظاہر بات ہے کہ اول طریقہ سے جو ظاہراً آسان مگر درحقیقت ناممکن تھا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے اور ثانیاً جو ظاہراً مشکل مگر درحقیقت ممکن تھا، اس سے مقابلہ کیا۔ اور ناممکن پر ممکن کو ترجیح دی۔ تو ظاہر ہے کہ درحقیقت مقابلہ سے عاجز تھے اور اس معیار کا کلام نہیں بنا سکتے تھے۔ یہ بات نہیں کہ انہوں نے سہل کو صعب پر ترجیح دی۔ اور نہ ہی کوئی عقلمند انسان ایسا کر سکتا ہے۔

عیسائیوں نے دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ ممکن ہے کہ انہوں نے قرآن کے توڑ کی عبارت تو بنائی ہو مگر ہم تک نہ پہنچی ہو۔ ان کا یہ جواب بھی احمقانہ ہے، کیونکہ جس زمانہ میں قرآن پاک نازل ہوا تھا اس زمانہ سے اب تک اس کے مخالفین کی تعداد موافقین سے بہت زیادہ ہے۔ موافقین قرآن نے تو قرآن پاک ہم تک پہنچایا اور مخالفین قرآن کا توڑ ہم تک نہ پہنچا سکے۔ جب مقصود اسہل طریق سے حاصل ہو سکے تو پھر اصعب طریق کو کیوں اختیار کیا جائے ---- معلوم ہوا کہ مقابلہ کی ضرورت اور احساس ان کو بہت تھا۔ لیکن معارضہ سے عاجز تھے۔ اس وجہ سے دوسرے طریقے اختیار کئے اور معارضہ نہ کیا۔ باقی رہا یہ اعتراض کہ ہم تک رسائی نہیں ہوئی تو یہ پادری فنڈر اور سکاٹ کی بیوقوفی ہے۔ کیونکہ ناقل تو فرشتے نہ تھے بلکہ انسان تھے۔ نزول قرآن کے وقت

دو گروہ موجود تھے۔ ایک مومنین کا اور دوسرا کافروں کا ——— اور قاعدہ یہ ہے کہ حق کے ماننے والے بہت تھوڑے ہوا کرتے ہیں۔ آج بھی مسلمانوں کی نسبت غیر مسلم زیادہ ہیں۔ اور پھر اس زمانے میں تو مسلمانوں کی حالت ایسی تھی جیسے آٹے میں نمک۔ تو جب قرآن کی رسائی ہوئی تو غیر قرآن کی رسائی اتنی کثرت کے باوجود کیسے نہ ہو سکی۔ معلوم ہوا کہ معارضہ سرے سے انہوں نے کیا ہی نہیں ——— مسلمان تو بے تعصب ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ جن لوگوں نے قرآن پاک کا معارضہ کیا جیسے مسلیمہ کذاب۔ متنبی اور ابن راوندی ——— اور یہ تگ بندی مسلمانوں ہی کے دورِ حکومت میں ہوئی۔ ابن راوندی نے جو کتاب قرآن پاک کے مقابلہ میں لکھی بغداد میں لکھی جو مسلمانوں ہی کی سلطنت ہے۔ اور مسلمان اُسے کوئی سزا نہیں دیتا۔ بلکہ مسلمان خود دوسروں کے معارضے ذکر کرتے ہیں تو پھر یہ کہنا کہ ہم تک رسائی نہیں ہوئی بڑی بیوقوفی کی بات ہے۔ مثال کے لئے ملاحظہ ہو کتاب الحیوان للجاحظ بحث ضفدع اور مصطفیٰ صادق کی کتاب "اعجاز القرآن"۔

ہندوستان کے آریہ سماج یعنی ہندوؤں کے روشن خیال طبقہ نے اعتراض کیا کہ کیا فیضی نے قرآن نہیں بنایا اور یہ دیانند سرسوتی نے ستیارتھ پرکاش میں لکھا ہے۔ مگر دیانند کی بے علمی کو دیکھئے کہ فیضی نے جو کچھ لکھا ہے وہ قرآن پاک کی بے نقط تفسیر لکھی ہے جس کا نام سواطع الالہام ہے۔ اور تفسیر کو قرآن پر مبنی کیا ہے۔ بے نقط الفاظ ہیں جس کا ایک نمونہ مقاماتِ حریری میں موجود ہے۔ تو ہم دیانند سے پوچھتے ہیں کہ اگر تم بھی اسکو کر سکتے ہو تو کیوں نہیں کیا۔ غرض فیضی کی طرف یہ منسوب کرنا کہ اس نے نظیر پیش کی ہے، سراسر بہتان ہے۔ کیونکہ فیضی کی عبارت سے صاف ظاہر ہے، خود وہ کہتے ہیں کہ قرآن ایک سمندر بے کنارہ ہے [1]

اس سلسلہ میں مسلیمہ کذاب نے جو آیات بنائیں ہم اہل علم کی خاطر اسکی تگ بندی کا بھی یہاں ایک نمونہ پیش کرتے ہیں۔ مثلاً اس نے سورۃ فیل بنائی اسکی عبارت یہ ہے: الفیل ما الفیل وما ادراک ما الفیل لہٗ ذنب وبیل وخرطوم طویل۔ قاعدہ بلاغیہ یہ ہے کہ تکرار بلفظ ما سے مقصود ایک ایسی چیز کی تفتیش ہوتی ہے جو مافوق العقل ہو۔ حالانکہ ہاتھی تو ہم روزمرہ دیکھتے ہیں۔ دوم یہ کہ لہٗ ذنب وبیل۔ کہ اس کے لئے خطرناک دُم ہے۔ تو اسکی دُم میں کیا خطرہ ہے۔ وہ تو اپنی دم سے مکھی کو بھی نہیں ہٹا سکتا۔ اور خرطوم طویل کا کہنا بے فائدہ ہے۔ کیونکہ سب کو معلوم ہے کہ ہاتھی کا خرطوم لمبا ہوتا ہے۔

دوسری عبارت اس نے سورۃ ذاریات کی طرح بنائی: والباذرات زرعاً فالحاصدات حصداً والذاریات قمحاً فالعاجنات عجناً فالخابزات خبزاً فلاقمات لقماً۔

---

[1] دیباچہ سواطع الالہام میں لکھا ہے، علم کلام اللہ ولماء لاساحل لہ (؟) لاسلک لکل احد اراد وصل عمدہ لا وما وصل وکل احد اراد حدک حلہ وما ادرک لاحد لمحامدہ ولاعد لمکارمہ

جاحظ نے بھی کتاب الحیوان کی بحث ضفدع میں مسیلمہ کی نقالی کی ہے کہتے ہیں : یاضفدع بنت ضفدعین نقی ما تنقین نصفك فی الماء ونصفك فی الطین لا الماء تکدرین ولا الشارب تمنعین ۔

متنبی نے بھی اپنا ایک قرآن بنایا : والنجم السیار والفلك الدوار واللیل والنہار ان الکافر لفی اخطار ـــــ ابن راوندی جو مشہور زندیق ہے۔ یہودیوں سے پیسے لیتا تھا اور قرآن پاک کا مقابلہ کرتا تھا۔ ابو العلاء خود زندیق ہے۔ لیکن اس کے متعلق کہتے ہیں : تاجہ لا یصلح ان یقال لہ نعلاً۔ اس کا تاج نعل کہلانے کا بھی مستحق نہیں۔

اب لوگوں نے دیکھ لیا کہ مذکورہ بالا تک بندی سے انسان کو کیا فائدہ ہوا۔ کچھ بھی نہیں۔ حالانکہ قرآن پاک کے نزول کا مقصد رغبت الی اللہ اور اصلاح خلق ہے۔

مرزا قادیانی نے بھی وحی بنائی ہے وہ حقیقت الوحی میں کہتے ہیں : اخبرنی ربی ان الکرام الپشاوری یہلك فی ثلث سنۃ ۔ میرے رب نے مجھے اطلاع دی ہے کہ کرام پشاوری اگلے تین سالوں میں ہلاک ہو گا۔

یہ عبارت نحو کے بالکل خلاف ہے۔ کیونکہ ایک تو عربی میں (پ) نہیں آتی۔ دوسرا یہ کہ ثلاث عدد اقل ہے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ عدد اقل کی تمیز جمع ـــ آتی ہے تو ثلث سنوات یا سنین ہونا چاہئے تھا۔ مرزائیوں نے جب یہ دیکھا تو کہا کہ ہمارے پیغمبر کی وحی گرائمر اور نحو کی پابند نہیں۔ ایک دفعہ آریوں کے پنڈت رام چندر دہلوی کے ساتھ میرا مناظرہ ہوا۔ اس نے کہا کہ میں نے قرآن کا توڑ بنایا ہے۔ میں نے پیش کرنے کو کہا تو اس نے القارعۃ ما القارعۃ کے وزن پر الرحمان ما الرحمان وما ادراك ما الرحمان الا السلطان ۔ عوام بیچارے اس کے حقیقی جواب کو کب جان سکتے تھے اس لئے میں نے کہا اس میں ایک کمی رہ گئی ہے۔ اگر وہ شامل ہو جائے تو توڑ مکمل ہو جائے۔ پوچھا، وہ کیا۔ میں نے کہا : الا السلطان رام چندر کی دوکان۔

بعض مستشرقین نے امرؤ القیس کے معلقہ کو پیش کیا کہ اگر قرآن بے نظیر ہو تو معلقہ بھی بے نظیر۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ ابو بکر باقلانی کی کتاب الاعجاز کو مطالعہ فرمائیے ۔ سبعہ معلقہ کے سب شاعر کافر تھے۔ صرف لبیدؓ بعد میں ایمان لایا۔ ان شعرا نے معلقے بنائے تھے اور بے نظیر ہونے کی وجہ سے کعبہ پر لٹکائے گئے تھے۔ کیونکہ اس زمانہ میں یہ رواج اور قاعدہ تھا کہ جو شاعر شعر بناتا تھا تو چیلنج کے طور پر خانہ کعبہ کے دروازہ پر لٹکایا جاتا تھا۔ قرآن پاک کے نزول کے وقت سات معلقے کعبہ کے دروازے پر

لٹکائے گئے تھے۔ جب قرآن پاک نازل ہوا تو یہ سب کے سب اتارے گئے بجز معلقہ امرأ القیس کے کہ امرأ القیس کی بہن نے اس کے اتارنے سے انکار کیا اور اسے رہنے دیا مگر جب دو آیتیں یا ارض ابلعی مائک ویا سماء اقلعی ۔ امرالقیس کی بہن نے سنیں تو پھر خود جا کر امرالقیس کے معلقہ کو اتارا ۔ اور کہا کہ ایسی آیات کے بعد معلقہ کا لٹکا رکھنا بڑی بے حیائی ہے۔ ایک انگریز نے اس آیت کا ترجمہ کیا اور کہا کہ یقیناً یہ قرآن پاک کسی بندے کا بنایا ہوا نہیں، کیونکہ ایسا حکم اللہ کے علاوہ کوئی نہیں کر سکتا ۔۔۔ یہاں ہم امرالقیس کے سارے معلقہ پر بحث نہیں کر سکتے ۔ اتنا وقت نہیں بلکہ مثال کے طور پر اس کے دو ایک شعروں پر کلام کرتے ہیں، سبعہ معلقہ کا پہلا شعر یہ ہے ؛

قفا نبک من ذکری حبیب ومنزل بسقط اللوی بین الدخول فحومل

پہلا حصہ شعر کا تشبیب ہے، یعنی معشوقہ کی جدائی پر اظہار غم اور داستان عشق کا بیان تو امرالقیس پہلے شعر میں کہتا ہے قفا اے میرے دو ساتھیو ٹھہر جاؤ۔ مخاطب دو ساتھی ہو گئے اور ایک وہ خود ہوا تو تین ہو گئے۔ اور مقصد یہ ہے کہ ہم محبوب پر اظہار غم کریں۔ حالانکہ یہ مقتضیٰ حال کے خلاف ہے۔ کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ اظہار غم اور بیان کیفیت عشق صرف تنہائی میں ہوتا ہے۔

دوسری خرابی یہ ہے کہ اس نے اپنے عشق اور محبوبہ پر رونے میں دو مزید ساتھیوں کو شریک کر لیا حالانکہ ایک عاشق کب گوارا کر سکتا ہے کہ میرے معشوق میں دوسرا بھی شریک ہو جائے اور امرالقیس نے دوسرے کو شریک کیا۔ ایسی بات بڑی بے غیرتی سمجھی جاتی ہے۔ شعر پر تیسری تنقید یہ ہے کہ اس وجہ سے روئیں کہ منزل کے نشانات ابھی تک نہیں مٹے ہیں۔ حالانکہ یہ بھی مقتضائے حال کے خلاف ہے۔ اگر واقعی عشق ہو تو نشانات مٹنے کی صورت میں بھی اظہار غم کیا جاتا ہے۔ یہی حال امرالقیس کے قصیدہ کے سب سے بہترین شعر کا ہے۔ مثلاً وہ کہتے ہیں :

کلانا اذا ما نال شیئاً افاتہ ومن یحترث حرثی وحرثک یھزل

کلانا میں خطاب بھیڑیا کو ہے اور یہ بھی مقتضاء حال کے خلاف ہے۔ کیونکہ بھیڑیا کو شجاعت میں اپنے ساتھ شریک ٹھہرایا ہے۔ حالانکہ شجاعت و سخاوت میں تفرد ہونا چاہیئے۔ دوسرا یہ کہ سخاوت اس وقت ہوتی ہے کہ کوئی چیز ہاتھ میں ہو یا نہ ہو اور سخاوت کرے اور امرالقیس کہتے ہیں اذا ما نال شیئاً کہ جب ہاتھ میں کوئی چیز آئے تو سخاوت کریں گے۔ قرآن شاہد ہے کہ ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ یہ تھا صحابہؓ کا ایثار کہ کچھ ہو یا نہ ہو وہ سخاوت کرتے تھے۔ کہ ان پر اعتراض نہ ہو ۔۔۔ اس کے بعد اس دلیل پر ہم یورپ اور امریکہ کے بعض مستشرقین کے کچھ اعتراضات نقل کر کے اس کا ازالہ کریں گے۔

(باقی آئندہ)

حضرت مولانا محمد میاں صاحب (سابق ناظم جمعیۃ العلماء ہند)
شیخ الحدیث مدرسہ امینیہ دہلی مصنف شاندار ماضی

حیاتِ مسلم کی ایک جھلک

قربانی، ایثار اور تقسیم دولت کی نادر مثال

نعروں کی بجائے عمل

الحق بلاناغہ ہر ماہ آتا رہتا ہے۔ اعانتِ حق فریضۂ مسلم ہے۔ طبیعت چاہتی ہے کہ رسالہ الحق کی بھی کچھ خدمت کروں۔ مگر خدمت کے راستے مسدود ہیں۔ اپنا مضمون بھیجنا اول تو تحفۂ فلفل ہندوستان کی مثال ہے۔ پھر راستہ ایسا پیچیدہ کہ پہنچنے کا اطمینان نہیں ہوتا۔ اور واقعہ یہ ہے کہ ارشادات کی تعمیل سے عہدہ برآ ہونا بہت مشکل ہے تو بلافرمائش تبرع تو نا ممکن ـــــ کاغذات میں یہ رشتہ مضمون نکل آیا۔ کاپی شدہ ہے کسی خاص داعیہ کی بنا پر لکھا تھا۔ الجمعیۃ میں تو یقیناً شائع نہیں ہوا۔ شاید کسی اور رسالہ یا اخبار میں بھی شائع نہیں ہوا۔ خیال آیا کہ اسی سے تبرع کر دوں۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف۔ والسلام۔

خاکسار محمد میاں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے تیرہ سال از ۶۰۹ء تا ۶۲۲ء مکہ میں گذرے۔

اس تیرہ سال کے عرصہ میں اگرچہ مسلمانوں کی تعداد دو سو سے زیادہ ہو گئی، مگر ان کی حیثیت ایسی نہیں تھی کہ جماعتی نظم قائم ہو سکے۔ ایک بڑی تعداد کو مجبور ہو کر اپنے وطن (مکہ) سے نکلنا پڑا۔ انہوں نے حبش جا کر پناہ لی۔ جو مسلمان مکہ میں تھے۔ وہ رات دن طرح طرح کے مصائب میں مبتلا تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور عرب کے قریبی رشتہ دار تقریباً تین سال تک شعب ابی طالب میں محصور رہے۔ مکہ کے باشندوں نے ان سے بائیکاٹ رکھا۔ لیکن اس انتشار اور پراگندی کی صورت میں اگرچہ کوئی باقاعدہ پروگرام نہیں پیش کیا جا سکتا تھا۔ مگر اس دو حرفی پروگرام پر اس لاچارگی اور بیچارگی کے زمانہ میں بھی برابر عمل ہوتا رہا ـــــ کفوا ایدیکم واقیموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ (سورہ نساء رکوع ۱۱)

سیرتِ مقدسہ پر نظر رکھنے والا اس فیصلہ پر مجبور ہے کہ مکی زندگی کے تیرہ سالہ دور میں یک بنیادی مقصد عمل کی پوری سرگرمی کے ساتھ کامیاب بنایا گیا ــــ عام محاورہ کے لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ کچھ نظریات پیش کئے گئے اور ذہنوں کو ان کے لئے ہموار ہی نہیں کیا گیا بلکہ ان نظریات کو ذہنوں میں رچا دیا گیا ــــ آجکل دولت، سرمایہ داری اور تقسیم دولت کی بحث ہے۔ اس مناسبت سے وہی نظریات پیش کئے جا رہے ہیں جنکا تعلق اس موضوع سے ہے ..... سورہ بلد اسی زمانہ میں نازل ہوئی تھی جسکی چند آیتوں کا ترجمہ یہ ہے :

"کیا انسان خیال کرتا ہے کہ اس پر کسی کا بس نہیں چلے گا۔ کہتا ہے کہ میں نے بے شمار دولت خرچ کر ڈالی (میں نے کھپایا مال ڈھیروں۔ ترجمہ شاہ عبدالقادر) کیا یہ سمجھتا ہے کہ نہیں دیکھا ہے اسکو کسی نے۔ کیا ہم نے اسکو دو آنکھیں نہیں دیں۔ زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے۔؟ اور کیا ہم نے اسکو دونوں راستے نہیں بتا دیئے۔؟ پس وہ گھاٹی میں سے ہو کر نہ نکلا۔

آپ کو معلوم ہے گھاٹی کیا ہے۔؟

(گھاٹی یہ ہے) چھڑانا کسی گردن کا۔ (مصیبت زدہ غلاموں کو رہائی دلانا) یا کھلانا بھوک کے دن میں کسی رشتہ دار یتیم کو، یا کسی خاک میں رہنے والے مسکین کو (محتاج کو)

سورہ بلد پارہ ۳۰۔"

سورہ دہر بھی اسی زمانہ میں نازل ہوئی۔ جسکی چند آیتوں کا ترجمہ یہ ہے۔ ان آیتوں میں اللہ کے نیک بندوں کی تعریف کرتے ہوئے کہا گیا ہے :

"ایسے وقت کہ جب خود ان کو کھانا محبوب ہوتا ہے۔ اور خود اپنے اندر اس کی ضرورت اور طلب محسوس کرتے ہیں۔ اس کے باوجود وہ مسکین کو، یتیم کو اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔ ان کا نصب العین یہ ہوتا ہے کہ ہم صرف اللہ کے لئے کھانا کھلا رہے ہیں۔ تم سے نہیں نہ کوئی بدلہ درکار ہے۔ اور نہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ ہمارا شکریہ ادا کریں۔ (سورہ دہر۔ جزء ۲۹)

سورہ ہمزہ کی چند آیتوں کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے۔ وہ سرمایہ دار کے خلاف کس شدت سے گرج رہی ہیں :

"بڑی خرابی ہے ہر اس شخص کے لئے جو پس پشت عیب نکالنے والا ہے۔ اور رو در رو طعنہ دینے والا ہے۔ (یہ وہ مغرور اور متکبر ہے) جس نے سمیٹا مال اور اسکو گن گن کر رکھا

جو سمجھتا ہے کہ اس کا مال سدا رہے گا اس کے ساتھ۔ (اسکی دولت دوام پذیر ہو گی) ہرگز نہیں! ایسا شخص یقیناً پھینک دیا جائے گا حطمہ میں اور تم جانتے ہو کہ حطمہ کیا ہے۔؟

وہ آگ ہے جو بھڑکائی گئی ہے خدا کی طرف سے جو جھانک لیتی ہے دلوں کو۔ وہ ان پر بند کر دی جائے گی۔ (موند دی جائے گی) لمبے لمبے ستونوں میں۔

اس مضمون کی آیتیں جو مکہ معظمہ کے اس دور میں نازل ہوئیں۔ قدرتی بات ہے کہ انہوں نے اس مقدس جماعت کے دلوں کو مال و دولت کی محبت سے پاک کر دیا۔ اور یہاں تک نکھار دیا کہ درہم و دینار سے ان کو ایسی ہی نفرت ہو گئی جو اونٹ اور بھیڑ کی مینگنیوں سے نفرت تھی۔

ان تعلیمات کے نتیجے میں ہم دیکھتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا تمام سرمایہ جو زمانہ تجارت میں کمایا تھا خرچ کر کے فاقہ کو دولت قرار دے چکے ہیں ـــــ ان کی رفیقۂ حیات طاہرہ خدیجہ رضی اللہ عنہا جو مکہ کے دولت مندوں میں سب سے اونچا درجہ رکھتی تھیں اپنی تمام دولت خرچ کر کے فقر و فاقہ کو نعمت تصور کرنے لگیں ـــــ وفات ہوئی ہے تو ترکہ میں ایک بھی ایسی چیز نہیں ہے جس کا ذکر کیا جا سکے ـــــ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جن کے پاس اسلام لانے کے دن چالیس ہزار کا سرمایہ تھا، جب وہ مکہ سے روانہ ہوئے تو صرف پانچ ہزار باقی تھے۔ اس عرصہ کے کاروباری منافع کے علاوہ اصل پونجی یعنی پینتیس[۳۵] ہزار صرف ہو چکے تھے۔

البتہ گردن چھڑانے کی ہدایت جو قرآن پاک میں کی گئی تھی اس کے مظاہرے کھلے طور پر سامنے آتے ہیں۔ کتنے ہی غلام ہیں جنکو خرید کر آزاد کیا گیا۔ کتنے ہی مقروض ہیں جن کے قرضے ادا کیے گئے۔ خدا جانے کتنے بھوکے ہوں گے جن کی ضروریات کا تکفل فرمایا گیا ہو گا ـــــ حلیمہ سعدیہ جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا تھا۔ جن کے یہاں خشک سالی ہوئی۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس امداد کے لیے پیغام بھیجا۔ حضرت خدیجہؓ نے ۴۰ بکریوں کا ایک گلہ خرید کر ان کے حوالہ کر دیا۔

ـــــ جو آیتیں اس زمانہ میں نازل ہوئیں ان میں ایک فرض یہ بھی قرار دیا گیا۔ کہ دوسروں کو غرباء پروری پر آمادہ کریں۔ یعنی بخل اور سرمایہ پرستی کے جراثیم جس طرح اپنے اندر سے ختم کریں اسی طرح دوسروں کو بھی اسکی دعوت دیں اور داد و دہش کی فضا بنائیں ـــــ سورۃ الحاقہ کی آیات ۳۰ تا ۳۴ کا ترجمہ یہ ہے ـــــ

اس شخص کو پکڑو اور اس کے طوق پہنا دو۔ پھر دوزخ میں اسکو داخل کر دو۔ پھر ایسی

زنجیریں جنکی پیمائش ستر گز ہے اسکو جکڑ دو۔ (کیوں یہ عذاب کس لیئے؟ وجہ یہ ہے۔)
یہ شخص خدائے بزرگ پر ایمان نہیں رکھتا تھا۔ اور غریب آدمی کے کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج (مرنے کے بعد قیامت کے روز) اس شخص کا نہ کوئی دوست والی ہے اور نہ اسکو کوئی کھانے کی چیز نصیب ہے۔ (اگر کچھ ہے تو) صرف زخموں کا دھوون جسکو صرف وہی کھائیں گے جو تیرے گنہگار (پاپی) ہوں گے ـــــ

سورہ الحاقہ ۶۹ / ۳۰ تا ۳۲

تم نے دیکھا اس کو جو جھٹلاتا ہے۔ انصاف کو (پاداش عمل پر یقین نہیں رکھتا) یہ وہی ہے جو دھکیلتا ہے یتیم کو۔ جو ضرورتمند (مسکین) کو کھانا دینے کی تاکید اور ترغیب نہیں کرتا۔

سو ایسے نمازیوں کے لیئے بڑی خرابی ہے۔ جو اپنی نماز کو بھلا بیٹھے ہیں۔ جو دکھاوا (ریاکاری) کرتے ہیں۔ جنکی تنگدلی کا یہ عالم ہے کہ برتنے اور استعمال کرنے کی چیز مانگے پر وہی گوارا نہیں کرتے۔ (سورہ الماعون ۱۰۷ / ۱-۷ اس کے علاوہ سورہ فجر ۸۹ / ۱۷-۲۰ وغیرہ)

مکی زندگی کا دور ختم ہوا۔ مہاجرین کا قافلہ مدینہ پہنچا۔ یہاں ایک نہایت پیچیدہ اقتصادی سوال پیدا ہوا ـــ مدینہ خاص کی آبادی جو اسلام کی پناہ گاہ تھی دو ڈھائی ہزار سے زیادہ نہ تھی ـــ وہ جانباز مخلص جو اپنی ذمہ داری پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو مدینہ طیبہ لائے تھے۔ بیعتِ عقبہ کے وقت ان کی تعداد بہتر ۷۲ تھی۔ ان کے رفقاء اور معاون جو مدینہ طیبہ میں تھے، وہ چند سو سے زیادہ نہ تھے۔

مختصر یہ کہ زیادہ سے زیادہ پانچ سو افراد ہوں گے جو مدینہ طیبہ میں اس تحریک کے ذمہ دار تھے ان میں سے بہت سے غریب اور تہی دست بھی تھے جو صاحبِ حیثیت تھے ان کے پاس نہ کوئی کارخانہ تھا، نہ کوئی تجارتی منڈی تھی، نہ صنعت وحرفت کا کوئی سلسلہ تھا۔ صرف کاشتکار تھے جن کے پاس زراعت کے لیئے تھوڑی زمینیں تھیں یا کھجوروں کے باغات تھے۔ ہجرت کا سلسلہ شروع ہوا تو کم وبیش ایک سو افراد بہت تھوڑے عرصہ میں مدینہ پہنچ گئے۔ ان میں سے بہت سے وہ تھے جو اپنے وطن مکہ میں اچھی خاصی حیثیت رکھتے تھے۔ لیکن جس صورت سے ان کو وطن (مکہ) چھوڑنا پڑ رہا تھا۔ وہ حد درجہ خطرناک تھی، ان کے لیئے ممکن نہیں تھا کہ اپنے ساتھ وہ سرمایہ لاسکیں۔ پوری رازداری کے ساتھ چھپ کر نکل آنا ہی بہت بڑی کامیابی تھی۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو مکہ کے ایک رئیس گھرانے کے ایک فرد تھے۔

ان کے ارادۂ ہجرت کا پتہ چل گیا۔ تو خاندان کے آدمیوں نے انہیں گرفتار کر لیا۔ انہوں نے انتہائی عاجزی وزاری کی تو اس شرط پر یہ روانہ ہو سکے کہ اپنے سرمایہ میں سے اپنے ساتھ کچھ نہیں لے جائیں گے۔

مہاجرین کے سلسلے میں صرف مکہ ہی کے حضرات نہیں تھے۔ بلکہ جب مدینہ طیبہ کو ایک مرکزی حیثیت حاصل ہوگئی تو اگرچہ تعداد کتنی ہی تھوڑی تھی مگر ان سب کے لئے پناہ گاہ بن گئی تھی جو مختلف قبائل کے اندر اِکا دُکا اسلام سے مشرف ہو چکے تھے۔ یہ حضرات بھی مدینہ طیبہ پہنچنے لگے ——— اقتصادیات کے ماہرین کے لئے ایک نہایت دلچسپ سوال ہے کہ ان بے روزگاروں کے لئے روزگار کی کیا شکل کی جائے ۔ ؟ ان کا تقدس اسکی اجازت نہیں دیتا کہ کسی کے ایک پیسے پر بھی نظر ڈالیں۔ خود تہی دست ہیں، ذریعہ معاش کوئی نہیں ——— خود مدینہ میں ایک کافی تعداد ان بڑے لوگوں کی ہے جو صاحب دولت ہیں لیکن مسلمان نہیں ہوئے۔ مدینہ کے آس پاس یہودیوں کے قبیلے ہیں۔ وہ بہت خوش حال بڑے دولت مند۔ ان کی تجارتی کوٹھیاں بھی ہیں اور ان کے پاس تجارتی منڈیاں بھی۔ لیکن ان کے سامنے جھکنا خودداری اور اسلامی غیرت کے خلاف ہے۔

جیسے ہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ پہنچے مدینہ کے مسلم اور غیر مسلم باشندوں سے ایک معاہدہ ہوگیا اور اس طرح ایک ایسا نظام قائم ہوگیا جسکو حکومت یا مملکت کہا جا سکتا ہے۔ ممکن تھا کہ اس نظام کے ذریعہ کوئی ٹیکس عائد کر دیا جاتا۔ لیکن یہ بات اسلامی خودداری کے قطعاً مخالف تھی کہ اپنی ضرورتوں کے لئے ان سے ٹیکس وصول کریں جو ذہنی طور پر ہمنوا اور حامی نہیں ہیں ——— غیرت اور خودداری کا تقاضا یہ تھا کہ نووارد مسلمانوں کے لئے امداد کی اپیل کی جائے تو صرف ان سے جو بہر طرح اپنے آپ کو اسلام کے لئے پیش کر چکے تھے ——— لیکن لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْن کے اصول کا تقاضا یہ تھا کہ ان پر بھی کوئی جبر نہ کیا جائے ۔ اسلام کا بنیادی نظریہ یہ ہے کہ دلوں میں وہ انقلاب پیدا کر دیا جائے کہ وہ خود اپنی طرف سے امداد کا قانون بنائیں ——— کوئی سیاسی لیڈر ایسے موقع پر یہ کر سکتا تھا کہ کچھ جائیدادیں ضبط کرے تاکہ بے روزگاروں کا کام چلے اور نظام قائم ہو سکے۔ لیکن اس سے آپس کی محبت ہرگز نہیں قائم ہو سکتی تھی۔

اسلامی تعلیمات نے بہت ہی تھوڑی مدت میں معجزہ کے طور پر ایک خاص وصف مسلمانوں کے اندر پیدا کر دیا تھا۔ اس وصف کا نام ایثار ہے۔ اس ایثار نے ایک اشارہ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبرانہ ذہانت نے اس اشارہ کو سمجھا۔ آپ نے ایک تجویز پیش کی کہ جو مدینہ کے اصل باشندے

ہیں۔ اور جو مکہ کے آنے والے مہاجر ہیں۔ ان کے اندر قانونی بھائی چارہ قائم کر دیا جائے۔ یعنی صرف زبانی دوستی اور اخوت نہیں بلکہ ایسی اخوت جو دو نسلی بھائیوں کے اندر ہوتی ہے۔ آپ نے تجویز پیش کی کہ ایک انصاری ایک مہاجر کو اپنا بھائی بنائے ۔۔۔۔۔ حضرات انصار یعنی مدینہ کے اصل باشندوں نے بڑی خوشی سے اس تجویز کو منظور کرتے ہوئے عمل کی تمام ذمہ داری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دیں۔ آپ نے نام بنام بھائی چارہ قائم کر دیا۔ یعنی یہ مہاجر فلاں انصاری کا بھائی ہے۔ اس بھائی چارہ کے معنیٰ یہ تھے کہ مہاجر اس انصاری کی تمام املاک کے اندر برابر کا شریک ہو گیا۔ جس قدر جائیداد ہے، باغ ہے، مکان ہے تو آدھا انصاری کا یعنی مدینہ کے اصل باشندے کا اور آدھا اس بھائی مہاجر کا۔۔۔۔

ایک لطیفہ یہ تھا کہ مہاجر بھائی کاشت سے قطعاً ناواقف۔ اس کا پیشہ تجارت۔ اس کا وطن مکہ، جہاں کھیت اور کاشت کا نام نہیں۔ اسکو اگر انصاری کی جائیداد مل بھی گئی تو اپنی زندگی میں یہ انقلاب پیدا کرنا مشکل تھا کہ وہ کاشتکار بنتا، ہل جوتتا اور کھیتوں کو سیراب کرتا۔

یہ حضرات انصار کا مخلصانہ ایثار تھا کہ انہوں نے اپنی جائیدادوں اور باغوں کا آدھا حصہ دیا۔ اور یہ بھی طے کر دیا کہ کاشت کا تمام کام وہ کریں گے۔ حضرات مہاجرین کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں البتہ آمدنی آدھی ان کی خدمت میں پیش کر دی جائے گی۔۔۔۔

موضوع کلام سے کسی قدر ہٹ کر یہ عرض کرنا غیر مناسب نہ ہوگا کہ حضرات انصار (باشندگانِ مدینہ) جن کے لئے ایثار کر رہے تھے وہ بھی سیاسی رنگروٹ نہیں تھے۔ یہ وہ تھے جنکو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض تربیت اعلیٰ اخلاق سے آراستہ کر چکا تھا۔۔۔۔ حضرات انصار کے ایثار کے جواب میں ان مہاجر بزرگوں نے کامیابی کے جھنڈے نہیں لہرائے۔ جلوس نہیں نکالے، ۔۔۔۔ شکریہ کی رسمی تجویزیں نہیں پاس کیں بلکہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ جیسے بزرگوں نے اپنے انصاری بھائی سے کہا آپ کے اخلاص کا شکریہ، مجھے ایسا بازار بتا دیجئے جو زیادہ چلتا ہو۔ انصاری بھائی حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ نے ان کو قبیلہ قینقاع کے بازار میں پہنچا دیا۔ (یہ وہاں بظاہر خوانچہ لگا کر بیٹھ گئے) اور دن بھر میں اتنے دام کمائے کہ شام کو جب واپس ہوئے تو انصاری بھائی کے لئے کچھ پنیر اور کچھ گھی بھی خرید کر لیتے آئے۔ (بخاری شریف ص۲۷۵)

دورِ حاضر کی تہذیب جسکو اپنی ترقی پر ناز ہے: ان نو واردوں کو جو کسی سیاسی یا قانونی استحقاق کے بغیر باشندگانِ مدینہ کی املاک میں حصہ دار بن گئے تھے اگر کسی وجہ سے اخراج کا حکم نہ دیتی، مگر جائیدادوں

کی تقسیم کی چسک اور ٹیس ان کے دلوں کو ضرور تڑپاتی رہتی۔ اور اس بنا پر نا ممکن تھا کہ ان کے دلوں میں مہاجرین سے نسبت پیدا ہوتی۔ لیکن اخلاقی تربیت کی یہ برکت تھی کہ ان حضرات کے دلوں میں صرف محبت ہی نہیں بلکہ عقیدت قائم ہو گئی ــــ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ہوئی تو ان کے انصاری بھائی کی بیوی حضرت ام العلاء کو یقین تھا، کہ ایسا مقدس بزرگ یقیناً اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑی عزت کا مستحق ہے ــــ وہ صدمہ کا اظہار کرتے ہوئے فرما رہی تھیں؛

شهادتي عليك لقد اكرمك الله

میں شہادت دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں یقیناً عزت بخشی ہے ــــ

سنہ ۳ھ میں غزوہ بنو نضیر ہوا۔ اور اس موقع پر بنو نضیر کی ضبط شدہ جائدادیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے ہوئیں۔ اصولاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حق پہنچتا تھا کہ ان کو ذاتی ملک قرار دے لیتے یا اپنے خاندان کے لئے مخصوص کر دیتے۔ مگر آپ نے ان جائدادوں کی تقسیم کا فیصلہ فرمایا اور یہ پورا تعلقہ حضرات مہاجرین کو تقسیم کر دیا۔ اس موقع پر حضرات انصار نے جس ایثار کا ثبوت دیا وہ بھی ناقابلِ فراموش حقیقت ہے ــــ یہ انصار تقریباً ڈھائی سال سے مہاجرین کے مصارف برداشت کر رہے تھے۔ دورِ حاضر کی روشن تہذیب جو ہمدردیٔ نوعِ انسان کی بلند بانگ دعویٰ دار ہے اگر وہ کارفرما ہوتی تو انصار کا مطالبہ یہ ہوتا کہ یہ ضبط شدہ جائداد مصارف کے عوض میں ان کے حوالے کی جائے۔ یہ یہاں کے اصل باشندے بھی ہیں اور تین سال سے پوری جماعت کا خرچ بھی برداشت کر رہے ہیں ــ لیکن اس کے برعکس جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارادہ ظاہر فرمایا کہ یہ تعلقہ مہاجرین میں تقسیم کر دیا جائے اور جو جائدادیں بھائی چارے کی بنا پر انصار نے مہاجرین کو دی تھیں وہ ان کو واپس کر دی جائیں تو تاریخ نے وہ الفاظ محفوظ کر لئے ہیں جو حضرات انصار نے عرض کئے تھے : لا بل تقسم هذه فيه واقسم لهم من اموالنا ما شئت۔ ترجمہ :- نہیں حضرت یہ نہیں ہو گا۔ بنو نضیر کی تمام جائداد حضرات مہاجرین ہی کو دیدیجئے اور نہ صرف یہ جائداد بلکہ ہماری طرف سے آپ کو اختیار ہے کہ خود ہماری جائدادوں میں سے بھی جو کچھ آپ چاہیں ان کو عنایت کر دیں۔

یہی حضرات انصار ہیں جنہوں نے دوسرے موقعے پر یہ بھی فرمایا تھا کہ جو کچھ آپ لیں گے وہ اس سے بہت بہتر ہو گا جو ہمارے پاس رہ جائے گا۔ (سیرۃ ابن ہشام وغیرہ)

★

مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ

تلاشِ حق میں
امام غزالیؒ کی صحرانوردی

امام غزالیؒ کے ذاتی مشاہدات و تاثرات

اس سے انتہائی عروج کا جو کسی علمی و دینی شخصیت کو حاصل ہو سکتا ہے، تقاضا تھا کہ امام غزالیؒ اس پر قناعت کریں، اور اسی کے دائرہ کے اندر پوری زندگی گزار دیں، جیسا کہ ان کے بعض اساتذہ نے کیا اور لوگ عموماً کیا کرتے ہیں، مگر ان کی بے چین طبیعت، اور بلند حوصلہ طائرِ ہمت اس بلندی پر راضی نہ تھا، اور دراصل اسی بلند ہمتی نے ان کو امام اور حجۃ الاسلام بنا دیا، دنیا میں جاہ و اعزاز کی قربانی اور مقصد کی دھن اور سچی لگن کی ایسی مثالیں بہت کم ملتی ہیں۔ امام غزالیؒ نے خود ان حالات و اسباب کو بیان کیا ہے، جنہوں نے ان کو ایسا قدم اٹھانے پر آمادہ کیا۔ اور ان کو تعلیم و تدریس کے کام کا نہیں رکھا، یہاں تک کہ وہ اقلیم علم کی بادشاہی چھوڑ کر یقینی علم اور دولت باطن کی تلاش میں نکل گئے۔ اور اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر پلٹے، المنقذ من الضلال میں وہ لکھتے ہیں :

> عنفوانِ شباب سے میری طبیعت تحقیقات و معلومات کی طرف مائل تھی؛ ہر فرقہ اور جماعت سے ملتا اور اس کے عقائد کو خیالات معلوم کرتا، رفتہ رفتہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تقلید کی بندش ٹوٹ گئی۔ جو عقائد بچپن سے ذہن میں جمے ہوئے تھے، وہ متزلزل ہو گئے، میں نے خیال کیا کہ عیسائی اور یہودی بچے بھی اپنے اپنے عقائد پہ پرورش پاتے ہیں، حقیقی علم تو یہ ہے کہ کسی قسم کے شبہ کا احتمال تک نہ رہ جائے۔ مثلاً مجھے اس بات

کا یقین ہے کہ دس کا عدد تین سے زائد ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص کہے نہیں بلکہ تین زائد ہے اور میرے دعویٰ کی دلیل ہے کہ لاٹھی کو سانپ بنا سکتا ہوں، اور وہ بنا کر دکھا بھی دے، تب بھی مجھے اپنے علم میں کوئی شک نہیں ہوگا، مجھے اس پہ تعجب ضرور ہوگا۔ لیکن پھر بھی میرا یقین باقی رہے گا کہ دس تین سے زائد ہے۔ میں نے غور کیا کہ تو مجھے معلوم ہوا کہ اس قسم کا یقینی علم صرف حسیات اور بدیہیات کے دائرے میں ہے، لیکن جب زیادہ کدو کاوش سے کام لیا، تو معلوم ہوا کہ اس میں بھی شک کی گنجائش ہے۔ میں نے دیکھا کہ حواس میں سب سے زیادہ قوی حاسہ بصارت کا ہے۔ لیکن اس میں بھی غلطی ہوتی ہے۔ میرا یہ شک یہاں تک بڑھا کہ مجھے محسوسات کے یقینی ہونے کا اطمینان نہیں رہا، پھر میں نے عقلیات پر غور کیا تو وہ مجھے حسیات سے بھی زیادہ مشکوک اور کمزور نظر آئے تقریباً دو مہینہ تک میری یہ ارتیابی کیفیت رہی اور مجھ پر سوفسطائیت کا غلبہ رہا، پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس بیماری سے شفا دی اور طبیعت صحت و اعتدال پر آگئی اور بدیہیات عقلی پر اطمینان پیدا ہوگیا، لیکن یہ کسی استدلال اور ترتیب کی بنا پر نہ تھا، بلکہ ایک وجدانی اور وہبی بات تھی۔ اس مرض سے شفا پانے کے بعد اب میرے سامنے چار گروہ تھے، جو طالب حق معلوم ہوتے تھے۔ متکلمین جو اہل عقل و نظر ہونے کے مدعی تھے، باطنیہ جن کا دعویٰ تھا، کہ ان کے پاس خاص تعلیمات و اسرار ہیں۔ اور انہوں نے براہ راست امام معصوم سے علم حقائق حاصل کیا ہے۔ فلاسفہ جن کا کہنا ہے کہ وہی اہل منطق و اہل استدلال ہیں، صوفیہ جو اپنے کو صاحب کشف و شہود کہتے ہیں۔ میں نے ہر ایک گروہ کی کتابوں اور خیالات کا مطالعہ کیا تو کسی سے بھی مطمئن نہیں ہوا، علم کلام کے متعلق اس فن کے محققین کی تصنیفات پڑھیں اور خود بھی اس موضوع پر تصنیفات کیں۔ میں نے دیکھا کہ اگرچہ یہ فن اپنے مقصود کو پورا کرتا ہے۔ لیکن میری تسلی کے لئے وہ کافی نہیں، کیونکہ اس میں ایسے مقدمات پر بنا رکھی گئی ہے جو فریق مقابل کے پیش کئے ہوئے ہیں، اور متکلمین نے ان کو محض تقلیداً تسلیم کر لیا ہے، یا اجماع یا قرآن و حدیث کے نصوص ہیں، اور چیزیں اس شخص کے مقابلہ میں کچھ زیادہ کارآمد نہیں، جو بدیہیات کے سوا کچھ اور تسلیم نہ کرتا ہو، فلسفہ کے متعلق رائے قائم کرنے کے لئے پہلے میں نے اس کا تحقیقی مطالعہ ضروری سمجھا اگرچہ مجھے تصنیف و تدریس کے مشاغل سے بہت کم فرصت ملتی تھی، میرے حلقۂ درس میں بغداد میں تین تین سو

طالب علم ہوتے تھے، پھر بھی میں نے اس کے لئے وقت نکالا اور دو سال کے اندر اندر میں نے ان کے تمام علوم کا مطالعہ کر ڈالا۔ پھر تقریباً ایک سال تک، ان پر غور و فکر کرتا رہا، میں نے دیکھا کہ ان کے علوم چھ قسم کے ہیں۔ ریاضیات، منطقیات، طبعیات، سیاسیات اور الہیات ابتدائی پانچ علوم کا مذہب سے نفیاً و اثباتاً کچھ تعلق نہیں اور نہ مذہب کے اثبات کے لئے ان کے انکار کی ضرورت ہے، طبعیات میں ان کے بعض نظریات کا کہیں کہیں مذہب سے تصادم ہوتا ہے، مگر وہ چند چیزیں ہیں، اس سلسلہ میں اصولاً یہ عقیدہ رکھنا چاہئے، کہ طبیعت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، وہ خود مختار نہیں۔ البتہ جو لوگ ان علوم و مضامین میں فلاسفہ کی ذہانت اور باریک بینی دیکھتے ہیں، وہ عمومی طور پر ان سے مرعوب ہو جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ تمام علوم میں ان کا یہی حال ہوگا۔ حالانکہ یہ ضروری نہیں، کہ جو شخص ایک فن میں ماہر ہو وہ ہر فن میں ماہر ہو، پھر جب انکی بے دینی اور ان کے انکار کو دیکھتے ہیں، تو محض تقلیداً وہ بھی دین کا انکار و استخفاف کرنے لگتے ہیں۔ دوسری طرف اسلام کے محض نادان دوست فلاسفہ کے ہر نظریہ اور ہر دعویٰ کی تردید اپنا فرض اور اسلام کی خدمت سمجھتے ہیں۔ حتیٰ کہ طبعیات کے سلسلہ میں ان کی تمام تحقیقات کا بھی انکار کرنے لگتے ہیں۔ اس کا ایک مضر اثر یہ ہوتا ہے، کہ جو لوگ ان علمی نظریات و تحقیقات کی صداقت کے قائل ہیں، اور ان کے نزدیک وہ چیزیں پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہیں۔ ان کا اعتقاد خود اسلام کے بارے میں متزلزل ہو جاتا ہے، اور بجائے فلسفہ کا انکار کرنے کے وہ اسلام سے بدگمان ہو جاتے ہیں۔

رہے وہ کہ جو فن مذہب سے متصادم ہوتا ہے، وہ الہیات ہے، اس میں انہوں نے زیادہ ٹھوکریں کھائی ہیں، درحقیقت انہوں نے منطق میں جو شرطیں رکھی تھیں، ان کو وہ الہیات میں نباہ نہیں سکے، اسی لئے اس میں سخت اختلاف پایا جاتا ہے، غرض میں اس نتیجہ پہ پہنچا، کہ فلسفہ سے میری تشفی نہیں ہوگی، اور عقل تنہا تمام مقاصد کا احاطہ نہیں کر سکتی، اور نہ تمام مشکلات کی نقاب کشائی کر سکتی ہے۔ رہے باطنیہ تو مجھے اپنی کتاب مستظہری کی تالیف کے سلسلہ میں ان کے مذہب کے مطالعہ کرنے کا اچھی طرح موقع ملا، میں نے دیکھا کہ ان کے عقائد کا دار و مدار امام وقت کی تعلیم پر ہے۔ لیکن امام وقت کا وجود اور اس کی صداقت خود محتاج دلیل ہے۔ اور یہ دونوں حد درجہ مشتبہ

ہیں۔ اب صرف تصوّف باقی رہ گیا۔ میں ہمہ تن تصوّف کی طرف متوجہ ہوا۔ تصوّف علمی بھی ہے۔ اور عملی بھی ہے۔ میرے لئے علم کا معاملہ آسان تھا؛ میں نے ابوطالب مکی کی قوت القلوب اور حارث محاسبی کی تصنیفات، اور حضرت جنید شبلی و بایزید بسطامی وغیرہ کے ملفوظات پڑھے۔ اور علم کے راستے سے جو کچھ حاصل کیا جاتا تھا، وہ میں نے حاصل کرلیا، لیکن مجھے معلوم ہوا کہ اصلی حقائق تک تعلیم کے ذریعہ سے نہیں، بلکہ ذوق و حال اور حالات کی تبدیلی سے پہنچا جاسکتا ہے، جو علوم میرا سرمایہ تھے۔ خواہ شرعی ہوں یا عقلی، ان سے مجھے وجودِ باری، نبوت اور معاد پر ایمان راسخ حاصل ہوچکا تھا، لیکن یہ بھی کسی دلیلِ محض سے نہیں، بلکہ ان اسباب و قرائن اور تجربوں کی بنا پر جن کی تفصیل مشکل ہے، مجھ پر یہ اچھی طرح سے یہ واضح ہوچکا تھا، کہ سعادتِ اُخروی کی صورت صرف یہ ہے کہ تقویٰ اختیار کیا جائے؛ اور نفس کو اس کی خواہشات سے روکا جائے اور اس کی تدبیر یہ ہے کہ دارِ فانی سے بے رغبتی آخرت کی طرف میلان و کشش اور پوری یکسوئی کے توجہ الی اللہ کے ذریعہ قلب کا علاقہ دنیا سے ٹوٹ جائے۔ لیکن یہ جاہ و مال سے اعراض اور موانع و علائق سے فرار کے بغیر ممکن نہیں؛ میں نے اپنے حالات پر غور کیا، تو مجھے معلوم ہوا کہ میں سرتاپا علائقِ دنیوی میں غرق ہوں؛ میرا سب سے افضل عمل تدریس و تعلیم کا معلوم ہوتا تھا۔ لیکن ٹٹولنے سے معلوم ہوا، کہ میری تمام تر توجہ ان علوم پر ہے جو نہ تو اہم ہیں اور نہ آخرت کے سلسلہ میں کچھ فائدہ پہنچانے والے ہیں؛ میں نے اپنی تدریس کی نیت کو دیکھا تو وہ بھی خالص لوجہ اللہ نہیں تھی، بلکہ اس کا باعث و محرک بھی محض طلب جاہ و حصول شہرت تھا، تب مجھے یقین ہوگیا۔ کہ میں ہلاکت کے غار کے کنارے کھڑا ہوا ہوں، اگر میں نے اصلاحِ حال کی کوشش نہ کی، تو میرے لئے سخت خطرہ ہے۔ میں ایک عرصہ تک اس سب کو چھوڑ دینے اور بغداد سے نکل جانے کا ارادہ کرتا رہا۔ لیکن اس کا فیصلہ نہ کرسکا، چھ مہینے اسی کشمکش میں گذر گئے، کہ کبھی تو دنیاوی خواہشات کشش کرتیں اور کبھی ایمان کا منادی پکارتا، کہ کوچ قریب ہے۔ تھوڑی عمر باقی ہے۔ طویل سفر در پیش ہے اور یہ سب علم و عمل محض ریا و تخیلات ہیں، کبھی نفس کہتا ہے کہ یہ عارضی حالت ہے۔ اللہ نے جو کچھ جاہ و عزت دے رکھی ہے۔ چھوڑنے کے بعد اگر پھر واپس آنے کا خیال ہوا، تو اس کا دوبارہ حصول مشکل ہے، غرض اس لیت و لعل میں چھ مہینے گذر گئے، یہاں تک کہ

اب معاملہ بس سے باہر ہو گیا۔ زبان بھی رُک گئی، جیسے اس میں تالا پڑ گیا ہو، میں کوشش کرتا تھا کہ آنے جانے والوں کی خوشی کے لئے ایک ہی دن پڑھا دوں، لیکن زبان بالکل ساتھ نہیں دیتی تھی اور ایک لفظ بھی نہیں نکلتا تھا، زبان کی بندش سے قلب میں ایک رنج وغم کی کیفیت پیدا ہوئی جس کے اثر سے قوت ہاضمہ نے بالکل جواب دیدیا۔ کھانے پینے کی خواہش بالکل جاتی رہی، یہاں تک کہ ایک گھونٹ پانی، کھانے کے ایک لقمہ کا ہضم کرنا بھی میرے لئے دشوار ہو گیا، رفتہ رفتہ تمام قوائے جسمانی پر ضعف کا غلبہ ہوا، یہاں تک کہ اطباؔ نے علاج سے ہاتھ اٹھالیا، اور کہا کہ قلب پر کوئی اثر ہے۔ اور اس سے مزاج متاثر ہو گیا ہے، جب تک قلب سے یہ اثر نہ جائے، اس وقت تک علاج کچھ سود مند نہیں ہو سکتا۔ میں نے دیکھا تو میں اس معاملہ میں بالکل بے بس ہوں، تو میں نے اللہ کی طرف رجوع کیا اور اضطراری کیفیت کے ساتھ اس سے دعا کی، اس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ اس جاہ و مال اور اہل وعیال کا چھوڑ دینا مجھے آسان معلوم ہونے لگا، میں نے مکہ کا قصد ظاہر کیا اور میرے دل میں یہ تھا کہ میں شام کا سفر کروں گا، اور بڑے لطائف سے میں نے بغداد سے نکلنے کا سامان کیا، اہل عراق کو جب میرا قصد معلوم ہوا تو انہوں نے چاروں طرف سے مجھے ملامت کرنی شروع کی، اس لئے کہ کسی کے خیال میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی تھی کہ اس ترک وانقطاع کا کوئی دینی سبب بھی ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ ان کے خیال میں مجھے دین کا بلند ترین منصب حاصل تھا، ذلك مبلغهم من العلم۔ پھر لوگوں نے طرح طرح کی قیاس آرائیاں شروع کیں، جو لوگ مرکز حکومت سے دور تھے، انہوں نے خیال کیا اس میں کچھ حکام کا اشارہ ہے، اور ان کے ایما سے یہ خدمت ترک کی جا رہی ہے۔ لیکن جن لوگوں کا حکومتی حلقوں سے تعلق تھا، وہ دیکھتے تھے کہ اہل حکومت کو کس قدر میرے قیام پر اصرار ہے۔ اور ان کی کیسی شدید خواہش ہے کہ میں اپنے کام میں مشغول رہوں۔ وہ یہ کہتے تھے کہ اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے، کہ اسلام کی اس رونق اور علمی چہل پہل کو کسی کی نظر لگ گئی ہے، کہ یہ شخص سب چھوڑ چھاڑ کر جا رہا ہے، غرض میں نے بغداد کو الوداع کہی اور جو کچھ میرے پاس مال ومتاع تھا، اس میں سے بقدر کفاف رکھ کر سب بانٹ دیا۔ بغداد سے میں شام آیا اور وہاں دو سال کے قریب رہا۔ وہاں میرا کام عزلت وخلوت اور مجاہدے کے سوا کچھ

نہ تھا، میں نے علم تصوف سے جو کچھ حاصل کیا تھا۔ اس کے مطابق نفس کے تزکیہ، اخلاق کی درستی وتہذیب اور ذکر اللہ کے لئے اپنے قلب کو مصفا کرنے میں مشغول رہا۔ میں مدت تک دمشق کی جامع مسجد میں معتکف رہا۔ مسجد کے منارے پر چڑھ جاتا، اور تمام دن دروازہ بند کئے وہیں بیٹھا رہتا۔ دمشق سے میں بیت المقدس آیا، وہاں بھی روزانہ صخرہ کے اندر چلا جاتا اور دروازہ بند کر لیتا۔ سیدنا ابراہیمؑ کی زیارت کے بعد میری طبیعت میں حج و زیارت کا شوق اور مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کی برکات سے استفادہ کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ میں حجاز گیا۔ حج کرنے کے بعد اہل وعیال کی کشش اور بچوں کی دعاؤں نے مجھے وطن پہنچایا حالانکہ میں وطن کے نام سے کوسوں دور بھاگتا تھا۔ وہاں بھی میں نے تنہائی کا اہتمام رکھا اور قلب کی صفائی سے غافل نہیں ہوا، لیکن حوادث و واقعات اہل وعیال کے افکار اور معاشی ضرورتیں طبیعت میں انتشار پیدا کرتی رہتی تھیں، اور دلجمعی اور سکونِ قلب مسلسل نہیں رہتا تھا۔ لیکن میں اس سے مایوس نہیں ہوتا تھا اور وقتاً فوقتاً اس سے لذت یاب ہوتا رہتا تھا۔ دس برس اسی حالت میں گذر گئے، ان تنہائیوں میں مجھے جو انکشافات ہوئے اور جو کچھ مجھے حاصل ہوا اسکی تفصیل اور اس کا استقصار تو ممکن نہیں، لیکن ناظرین کے نفع کے لئے اتنا ضرور کہوں گا، کہ مجھے یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ صوفیا ہی اللہ کے راستے کے سالک ہیں۔ ان کی سیرت بہترین سیرت ان کا طریق سب سے زیادہ مستقیم اور ان کے اخلاق سب سے زیادہ تربیت یافتہ اور صحیح ہیں، اگر عقلاء کی عقل حکما کی حکمت اور شریعت کے رمز شناسوں کا علم مل کر بھی ان کی سیرت و اخلاق سے بہتر لانا چاہے، تو ممکن نہیں ان کے تمام ظاہری و باطنی حرکات و سکنات مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ ہیں۔ اور نور نبوت سے بڑھ کر روئے زمین پر کوئی نور نہیں جس سے روشنی حاصل کی جائے۔ •

کتابیں ہی کتابیں

نصب الرایہ زیلعی ۳۰/- روپے
مرقاۃ جلد ۱-۲ ۳۰/- "
مشکوٰۃ السنن ۶/- "
امام اعظم اور علم الحدیث ۱۵/- روپے
حیات الانبیاء (عربی) ۲/۵۰ "

علاوہ ازیں ہر قسم کی دینی و علمی کتابوں کے لئے

ادارۂ معارف اسلامیہ۔ مبارک پورہ۔ سیالکوٹ

جناب وحیدالدین خان

عقیدۂ آخرت

جدید تحقیقات کی روشنی میں

اخلاقی اور کائناتی تقاضے

اب اخلاقی تقاضے کو لیجئے۔ اس حیثیت سے جب ہم دیکھتے ہیں تو دنیا کے حالات شدید طور پر اس بات کا تقاضا کرتے ہیں، کہ اس کی ایک آخرت ہو۔ اس کے بغیر ساری تاریخ بالکل بے معنی معلوم ہوتی ہے۔

یہ ہمارا ایک فطری احساس ہے۔ کہ ہم خیر اور شر، ظلم اور انصاف میں تمیز کرتے ہیں۔ انسان کے سوا کسی بھی مخلوق کے اندر یہ خصوصیت نہیں پائی جاتی ــــ مگر انسان ہی کی دنیا وہ دنیا ہے، جہاں اس احساس کو سب سے زیادہ پامال کیا جا رہا ہے۔ انسان اپنے ابنائے نوع پر ظلم کرتا ہے، وہ اس کو لوٹتا ہے، اس کو قتل کرتا ہے اور طرح طرح سے اس کو تکلیف پہنچاتا ہے۔ حالانکہ جانوروں تک کا یہ حال ہے۔ کہ وہ اپنی نوع کے ساتھ سفاکی نہیں کرتے۔ بھیڑیئے اور شیر اپنی نوع کے لئے بھیڑیئے اور شیر نہیں ہیں۔ مگر انسان خود انسان کیلئے بھیڑیا بنا ہوا ہے۔ بیشک انسانی تاریخ میں حق شناسی کی چنگاریاں بھی ملتی ہیں۔ اور وہ بہت قابل قدر ہیں۔ مگر اس کا بڑا حصہ حق تلفی کی روداد سے بھرا ہوا ہے۔ مورخ کو بڑی مایوسی ہوتی ہے۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ انسان کا ضمیر جو کچھ چاہتا ہے، دنیا کے واقعی حالات اس کے خلاف ہیں۔ یہاں میں چند اقوال نقل کروں گا:

والٹیر :- انسانی تاریخ محض جرائم اور مصائب کی ایک تصویر ہے [1]

ہربرٹ اسپنسر :- تاریخ محض بے فائدہ گپ ہے۔

نپولین :- تاریخ تمام کی تمام لایعنی قصے کا نام ہے۔

---

[1] STORY OF PHILOSOPHY BY WILL DURANT P. 220

اڈورڈ گبن :۔ انسانیت کی تاریخ جرائم، حماقت اور بدقسمتی کے رجسٹر سے کچھ ہی زیادہ ہے۔
ہیگل :۔ پبلک اور حکومت نے تاریخ کے مطالعہ سے جو واحد چیز سیکھی ہے۔ وہ صرف یہ کہ انہوں نے تاریخ سے کچھ نہیں سیکھا۔

WESTERN CIVILISATION BY EDWARD MCNALL BURNS. P. 871

کیا انسانیت کا یہ عظیم الشان ڈرامہ اسی لئے کھیلا گیا تھا کہ وہ اس طرح کی ایک ہولناک کہانی وجود میں لاکر ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔ ہماری فطرت جواب دیتی ہے کہ نہیں۔ انسان کے اندر عدل و انصاف کا احساس تقاضا کرتا ہے، کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ایسا ہونا چاہئے۔ ایک دن ایسا آنا ضروری ہے، جب حق اور ناحق الگ ہو۔ ظالم کو اس کے ظلم کا اور مظلوم کو اس کی مظلومیت کا بدلہ ملے۔ یہ ایک ایسی طلب ہے جس کو اسی طرح تاریخ سے الگ نہیں کیا جا سکتا جس طرح اسے انسان سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔

فطرت اور واقعہ کا یہ تضاد بتاتا ہے، کہ اس خلاء کو لازماً پر ہونا چاہئے۔ جو کچھ ہو رہا ہے، اور جو کچھ ہونا چاہئے، دونوں کا فرق ثابت کرتا ہے، کہ ابھی زندگی کے ظہور کا کوئی اور اسٹیج باقی ہے۔ یہ خلا پکار رہا ہے کہ ایک وقت ایسا ہونا چاہئے جب دنیا کی تکمیل ہو، مجھے حیرت ہے کہ لوگ ہارڈی کے فلسفہ پر ایمان لاکر دنیا کو ظلم اور بے رحمی کی جگہ سمجھنے لگتے ہیں۔ مگر یہی ظالمانہ صورت حال انہیں اس یقین کی طرف نہیں لے جاتی کہ جو کچھ آج موجود نہیں ہے، مگر عقل جس کا تقاضا کرتی ہے، اسے کل وقوع میں آنا چاہئے۔

"قیامت نہ ہو تو ان شیاطین کا سر کون توڑے" ———— یہ فقرہ اکثر ایک دردناک آہ کیساتھ اس وقت میری زبان سے نکل جاتا ہے۔ جب میں اخبار پڑھتا ہوں، اخبار گویا دنیا کے روزانہ حالات کی ایک تصویر ہے۔ مگر اخبار میں دنیا کے حالات کے بارے میں کیا بتاتے ہیں۔ وہ اغوا اور قتل کی خبریں دیتے ہیں، چوری اور الزام تراشی کی داستانیں سناتے ہیں۔ سیاسی تجارت اور تاجرانہ سیاست کے جھوٹے پروپیگنڈے ہمارے دماغوں میں بھرتے ہیں۔ وہ بتاتے ہیں کہ فلاں حکمران نے اپنے ماتحت کمزوروں کو دبالیا، فلاں قوم نے قومی مفاد کے لئے فلاں علاقے پر قبضہ کر لیا۔ غرض اخبار، دورلیش اور سلطان کی عیاریوں کی داستان کے سوا اور کچھ نہیں۔ اور مستقبل قریب میں ہندوستان میں ہونے والے حادثات خاص طور پر سبل پور، کلکتہ، جمشید پور اور راوڑکیلا کی قتل و غارتگری کے بعد تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس دنیا میں کسی بھی قابل قیاس یا ناقابل قیاس بدترین برائی کو ناممکن نہیں سمجھنا چاہئے۔ ایک قوم

سیکولرزم، جمہوریت اور اشتراکی علم بردار بن کر وحشیانہ فرقہ واریت، سفاکانہ آمریت اور بدترین تشدد کا ارتکاب کر سکتی ہے۔ ایک لیڈر جس کو محسن انسانیت اور پیغمبر امن وامان کا خطاب دیا گیا ہو، عین اس کے اقتدار میں انسانیت کے اوپر ایسے شرمناک مظالم کئے جا سکتے ہیں جن سے چیتے اور بھیڑیے اور جنگلی سور بھی پناہ مانگیں۔ حتیٰ کہ نشر واشاعت کے اس دور میں یہ بھی ممکن ہے، کہ دنیا کے ایک بہت بڑے ملک میں بہت بڑے پیمانے پر کھلم کھلا ایک گروہ کو لوٹنے، جلانے اور قتل کرنے کے انتہائی بھیانک واقعات نہایت منظم طریقے پر ہوں اور مہینوں اور سالوں ہوتے رہیں۔ مگر اس کے باوجود دنیا کا پریس ان سے بے خبر ہو اور تاریخ کے صفحات سے وہ اس طرح گم ہو جائیں گویا کچھ ہوا ہی نہیں ——— کیا یہ دنیا اسی لئے بنائی گئی تھی کہ مکاری، شیطنت درندگی اور ڈاکہ زنی کے ان ہولناک ڈراموں کا بس ایک اسٹیج بن کر رہ جائے۔ اور اس کے بعد نہ ظالم کے لئے کچھ ہو اور نہ مظلوم کے لئے کچھ ——— حقیقت یہ ہے کہ ایک ایسی دنیا خود اپنے سارے وجود کے ساتھ اس بات کا اعلان ہے کہ وہ نامکمل ہے اور اس کا نامکمل ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ ایک وقت آنا چاہئے جب وہ مکمل کی جائے۔

اس بات کو ایک اور پہلو سے دیکھئے۔ قدیم ترین زمانے سے انسان کے سامنے یہ مسئلہ رہا ہے کہ لوگوں کو حق وصداقت کی راہ پر کیسے قائم رکھا جائے۔ اگر اس مقصد کے لئے تمام افراد کے مقابلے میں کچھ لوگوں کو سیاسی اختیار دیا جائے تو ہو سکتا ہے کہ ان کے ماتحت ان کی گرفت کے خوف سے زیادتیاں نہ کریں۔ مگر اس تدبیر میں خود ان صاحب اختیار افراد کو عدل پر قائم رکھنے کا کوئی محرک موجود نہیں ہے۔ اگر اس مقصد کے لئے قانون بنایا جائے اور پولیس کا محکمہ قائم ہو تو ان مقامات اور مواقع پر آدمی کو کون کنٹرول کرے جہاں پولیس اور قانون نہیں پہنچتے اور نہیں پہنچ سکتے۔ اگر اپیل اور پروپیگنڈے کی مہم چلائی جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ محض کسی کی اپیل کی بنا پر کوئی شخص اپنے ملتے ہوئے فائدے کو کیوں چھوڑ دے گا۔ دنیا کی سزا کا خوف بدعنوانیوں کو ہرگز روک نہیں سکتا۔ کیونکہ ہر شخص اچھی طرح جانتا ہے کہ جھوٹ، رشوت، سفارش، اثر ورسوخ کا ناجائز استعمال اور اسی قسم کے دوسرے بہت سے ذرائع موجود ہیں جو سزا کے ہر امکان کو یقینی طور پر ختم کر سکتے ہیں۔

[illegible] یہ ہے کہ [illegible] ایسا محرک ہی بدعنوانیوں کو روک سکتا ہے جو [illegible] [illegible] [illegible] اپنے ارادے میں شامل ہو جائے [illegible] ہو سکتا۔ اور یہ بات صرف آخرت کے تصور میں ممکن ہے۔ آخرت کے نظریے میں ایک ایسا محرک موجود ہے جو بدعنوانیوں سے بچنے کے مسئلے کو ہر شخص کا اپنا مسئلہ بنا دیتا ہے۔ وہ ہر شخص کے لئے ملکوتی اہمیت

رکھتا ہے، خواہ وہ ماتحت ہو یا افسر، اندھیرے میں ہو یا اجالے میں۔ ہر شخص یہ سوچنے لگتا ہے کہ اسے خدا کے یہاں جانا ہے۔ اور ہر شخص یہ سمجھتا ہے کہ خدا اسے دیکھ رہا ہے۔ اور اس سے لازماً باز پرس کرے گا۔ مذہبی عقیدے کی اسی اہمیت کی بنا پر سترھویں صدی کے آخر کے ایک نامور جج میتھو ہیل (MATHEW HALOS) نے کہا ہے:

"یہ کہنا کہ مذہب ایک فریب ہے، ان تمام ذمہ داریوں کو پابندیوں کو منسوخ کرنا ہے جس سے سماجی نظم کو برقرار رکھا جاتا ہے۔" RELIGION WITHOUT REVELATION, P 115

نظریۂ آخرت کا یہ پہلو کتنا اہم ہے، اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ بہت سے لوگ جو خدا پر یقین نہیں رکھتے، جو اس بات کو بطور ایک حقیقتِ واقعہ نہیں مانتے کہ کوئی فیصلہ کا دن آنے والا ہے، وہ بھی تاریخ کے تجربے کی بنا پر یہ ماننے پر مجبور ہوئے ہیں کہ اس کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے جو انسان کو قابو میں رکھ سکتی ہو اور ہر حال میں اس کو عدل و انصاف کی روش پر قائم رہنے کے لئے مجبور کر سکے، مشہور جرمن فلسفی کانٹ نے خدا کے تصور کو یہ کہہ کر رد کر دیا ہے، کہ اس کی موجودگی کا کوئی تسلی بخش ثبوت ہم کو نہیں ملتا۔ اس کے نزدیک نظری معقولیت تو یقیناً مذہب کے حق میں نہیں ہے۔ مگر اخلاقی پہلو سے مذہب کی عملی معقولیت (PRACTICAL REASON) کو وہ تسلیم کرتا ہے۔ والٹیر (VOLTAIRE) کسی مابعد الطبیعی حقیقت کو نہیں مانتا۔ مگر اس کے نزدیک:

"خدا اور دوسری زندگی کے تصور کی اہمیت اس لحاظ سے بہت زیادہ ہے۔ کہ وہ اخلاقیات کے لئے مفروضے (POSTULATES OF THE MORAL FEELING) کا کام دیتے ہیں۔ اس کے نزدیک صرف اسی کے ذریعہ سے بہتر اخلاق کی فضا پیدا کی جا سکتی ہے۔ اگر یہ عقیدہ ختم ہو جائے تو حسن عمل کے لئے کوئی محرک باقی نہیں رہتا۔ اور اس طرح سماجی نظم کا برقرار رہنا ناممکن ہو جاتا ہے۔"

HISTORY OF PHILOSOPHY BY WINDELBAND, P. 496

جو لوگ آخرت کو ایک فرضی تصور سمجھتے ہیں، ان کو سوچنا چاہئے کہ آخرت اگر فرضی ہے تو ہمارے لئے اس قدر ضروری کیوں ہے۔ کیوں ایسا ہے کہ اس کے بغیر ہم صحیح معنوں میں کوئی سماجی نظام بنا ہی نہیں سکتے۔ انسانی ذہن سے اس تصور کو نکالنے کے بعد کیوں ہماری ساری زندگی ابتر ہو جاتی ہے۔ کیا کوئی فرضی چیز زندگی کے لئے اس قدر ناگزیر ہو سکتی ہے۔ کیا اس کائنات میں ایسی کوئی مثال پائی جاتی ہے کہ ایک چیز حقیقت میں موجود نہ ہو، مگر اس کے باوجود وہ اس قدر حقیقی بن جائے۔ زندگی سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو، مگر اس کے باوجود وہ زندگی سے اتنی متعلق نظر آئے۔ زندگی کی صحیح اور منصفانہ تنظیم کے لئے آخرت

کے تصور کا اس قدر ضروری ہونا خود یہ ظاہر کرتا ہے۔ کہ آخرت اس دنیا کی سب سے بڑی حقیقت ہے بلکہ اگر میں یہ کہوں تو اس میں کوئی مبالغہ نہ ہوگا کہ تصور آخرت کے حق میں استدلال کا یہ ایک ایسا پہلو ہے جو اس نظریے کو لیباریٹری ٹسٹ کے معیار پر صحیح ثابت کر رہا ہے۔

اب ایک اور پہلو سے دیکھئے جس کو میں "کائناتی تقاضا" کہتا ہوں۔ اس کے پہلے میں نے کائنات میں خدا کے وجود پر بحث کی ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ عین علمی اور عقلی مطالعہ ہی کا یہ تقاضا ہے کہ ہم اس کائنات کا ایک خدا مانیں۔ اب اگر اس دنیا کا کوئی خدا ہے تو یقیناً بندوں کے ساتھ اس کے تعلق کو ظاہر ہونا چاہیئے۔ یہ کب ظاہر ہوگا۔ جہاں تک موجودہ دنیا کا معاملہ ہے، یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے۔ کہ آج یہ تعلق ظاہر نہیں ہو رہا ہے۔ آج جو شخص خدا کا منکر ہے۔ اور کھلے عام یہ اعلان کرتا ہے، کہ "میں خدا سے نہیں ڈرتا" اس کو لیڈری اور حکومت حاصل ہو جاتی ہے، اس کے برعکس جو خدا کے بندے خدا کا کام کرنے کے لیئے اٹھتے ہیں، ان کی سرگرمیوں کو وقت کا اقتدار غیر قانونی قرار دے دیتا ہے۔ جو لوگ خدا کا مذاق اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "ہمارا راکٹ چاند تک گیا اور راستہ میں اس کو کہیں خدا نہیں ملا" ان کے نظریات کو پھیلانے کے لیئے بے شمار ادارے کام کر رہے ہیں اور پورے پورے ملکوں کے ذرائع و وسائل ان کی خدمت کے لئے وقف ہیں۔ اور جو لوگ خدا اور مذہب کی بات پیش کر رہے ہیں۔ ان کو تمام ماہرین اور علمائے وقت رجعت پسند اور ماضی کے اندھیرے میں بھٹکنے والا کہہ کر رد کر دیتے ہیں۔ لوگ پیدا ہوتے ہیں اور مر جاتے ہیں۔ قومیں بنتی ہیں اور بگڑتی ہیں۔ انقلابات آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں، سورج نکلتا ہے اور ڈوب جاتا ہے۔ مگر خدا کی خدائی کا کہیں ظہور نہیں ہوتا۔ ایسی حالت میں سوال یہ ہے کہ ہم خدا کو مانتے ہیں یا نہیں۔ اگر ہم خدا کو مانتے ہیں تو ہمیں آخرت کو بھی ماننا پڑے گا۔ کیونکہ خدا اور بندوں کا تعلق ظاہر ہونے کی اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں۔

ڈارون اس دنیا کا ایک خالق CREATOR تسلیم کرتا ہے۔ مگر اس نے زندگی کی جو تشریح کی ہے، اس کے اندر خالق اور مخلوق کے درمیان کوئی تعلق ثابت نہیں ہوتا اور نہ کائنات کے کسی ایسے انجام کی ضرورت معلوم ہوتی ہے۔ جہاں یہ تعلق ظاہر ہو سکے۔ نہیں معلوم کہ ڈارون اپنے حیاتیاتی نقطہ نظر کے اس خلا کو کیسے پُر کرے گا۔ مگر میری عقل کو یہ بات نہایت عجیب معلوم ہوتی ہے کہ اس کائنات کا ایک خدا تو ہو مگر دنیا سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو اور بندوں کے مقابلے میں اس کی جو مالکانہ حیثیت ہے، وہ کبھی سامنے نہ آئے۔ اتنی بڑی کائنات پیدا ہو کر ختم ہو جائے اور یہ ظاہر نہ ہو کہ اس کے وجود میں آنے کا مقصد کیا تھا، اور جس نے اسے بنایا تھا وہ کس قسم کی صفات رکھنے والی ہستی تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر معقولیت کے ساتھ غور کیا جائے گا تو دل پکار اٹھے گا کہ بیشک آخرت آنے والی ہے۔ بلکہ وہ آپ کو بالکل آتی ہوئی نظر آئے گی۔ آپ دیکھیں گے کہ حاملہ کے پیٹ میں جس طرح اس کا حمل باہر آنے کے لئے بیتاب ہو اسی طرح وہ کائنات کے اندر بوجھل ہو رہی ہے اور قریب ہے کہ کسی بھی صبح و شام وہ انسانوں کے اوپر پھٹ پڑے :

یسئلونک عن الساعۃ ایان	یہ لوگ پوچھتے ہیں کہ کہاں ہے قیامت کہ اس
مرسٰھا قل انما علمھا عند ربی	کا علم تو صرف خدا کو ہے۔ وہی اپنے وقت پر
لا یجلیھا لوقتھا الا ھو ثقلت	اسکو ظاہر کرے گا۔ وہ زمین و آسمان میں بوجھل
فی السمٰوٰت والارض لا تاتیکم الا بغتۃ	ہو رہی ہے۔ وہ بالکل اچانک تم پر آپڑے گی۔

(اعراف ۱۸۷)

امام اعظمؒ اور علم الحدیث

مؤلفہ: حضرت مولانا محمد علی صاحب صدیقی کاندھلوی دارالعلوم الشہابیہ سیالکوٹ

عنوانات ۲۸۸ — صفحات ۸۷۰ — سائز ۲۰×۲۶/۸

کاغذ سفید اعلیٰ — طباعت بہترین — گردپوش دیدہ زیب

قیمت پندرہ روپیہ

★ امام ابو حنیفہؒ کی محدثانہ شخصیت کا تجزیہ ★

★ اصول و قوانین کی تدوین اور حدیث کی تاریخ میں آپکا مقام ★ زمانہ طلب علم سے لیکر امام اعظم ہونے تک کی کہانی
★ حدیث میں آپ کے اساتذہ اور تلامذہ کی داستان ★ علم جرح و تعدیل میں آپکی استدلالی شخصیت
★ حدیث میں آپکے تالیفی کارنامے اور اسکا تاریخی پس منظر ★ ایک عظیم مجتہد کی محدثانہ نفسیات کا اظہار
★ محدثین، فقہاء اور متکلمین کیلئے روایت و درایت کا سنگم ★ محدثین سے آپ کا علمی رشتہ۔

یہ اور اس کے دوسرے مسائل پر کم و بیش تین سو کتابوں کی مدد سے محققانہ تبصرہ کیا گیا ہے

شائع کنندہ:- ناظم اعلیٰ انجمن دارالعلوم الشہابیہ رجسٹرڈ شاہراہ نگپورہ شہر سیالکوٹ

حضرت مولانا عبدالحمید صاحب سواتی۔ مدرسہ نصرۃ الاسلام گوجرانوالہ

مسئلہ توسّل پر ایک نظر

شرعی نصوص اور مسلک دیوبند کی روشنی میں

اس پر جملہ اکابر علماء و محدثین و فقہاء کرام کا اتفاق ہے کہ دعا میں توسل بالاعمال الصالحہ درست ہے۔ جس کے استدلال میں صحیحین کی وہ روایت شاہد ہے۔ جس میں تین آدمیوں کا ذکر ہے۔ جو کسی پہاڑی غار کے اندر پھنس گئے تھے اور اعمال صالحہ کا توسل کر کے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا مانگی اور اس مصیبت سے رہائی حاصل کی۔ یہ تو متفق علیہ امر ہے۔ اب اس میں بعض حضرات کا اختلاف ہے کہ توسل کسی کی ذات کے ساتھ درست ہے یا نہیں۔ لیکن جمہور علماء اور محدثین و فقہاء اس کے جواز کے قائل ہیں۔ چنانچہ کوئی شخص اگر اپنی دعا میں یوں کہے کہ الٰہی بحرمت یا بوسیلہ یا بطفیل یا بوجاہت یا بصدقہ یا بحق یا ببرکت یا بجاہ فلاں میری اس حاجت کو پورا فرما دے۔ تو اس طرح دعا کرنے میں کوئی خرابی نہیں یہ جائز اور مباح ہے۔ اصل اصول تو دعا کی قبولیت کا یہ ہے کہ سب سے پہلے دعا کرنے والا اللہ کی حمد و ثنا کرے اس کے بعد درود شریف پڑھے پھر دعا مانگے جیسا کہ احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صراحت کے ساتھ مروی ہے۔ یہ درود شریف کا پڑھنا بھی ایک قسم کا توسل ہے۔ اسی طرح اگر دعا میں اللہ تعالیٰ کی ذات کا توسل کرتا ہے۔ جیسا کہ حضرت مولانا نانوتوی نے اپنے مناجاتی قصیدہ میں فرمایا ہے ؎

بذات پاک خود کآن اصل ہستی است — از و قائم بلند یہا و پستی ست

یا اللہ تعالیٰ کی صفات اور اسماء پاک کا واسطہ پیش کرے تو یہ بھی بلاشک و شبہ درست ہے یہ سب توسل کے لئے ہوتا ہے۔ اللھم انی اسئلک بذاتک وبصفاتک و باسمائک وبعظمتک وبجلالک وبوجھک الکریم وبعرشک العظیم۔ یا جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا

میں یہ بات سکھلائی اللھم ارحمنی بالقرآن العظیم، کہ اے اللہ مجھ پر رحم فرما قرآنِ عظیم کی برکت سے سعدیؒ کا یہ شعر زبان زد خلائق ہے جو دعا میں ہمیشہ پڑھا جاتا ہے ؎

الٰہی بحق بنی فاطمہ — کہ بر قولِ ایماں کنم خاتمہ

اے اللہ حضرت فاطمہؓ کی اولاد کے حق اور طفیل سے میرا خاتمہ ایمان پر ہو ایک دوسرا شعر ہے جس میں سعدیؒ فرماتے ہیں ؎

بحقت کہ چشمم ز باطل بدوز — بنورت کہ فردا بنارم مسوز

اے خداوند کریم میں تجھ کو تیرے حق کا واسطہ دیتا ہوں کہ میری آنکھ کو باطل کی طرف سے بند کردے اور میں تجھ سے تیرے نور کے واسطے سے التجا کرتا ہوں کل قیامت کو مجھے آگ سے نہ جلانا اسی طرح ابن ماجہ شریف کی وہ روایت جس میں بشائی لفظ ہے (کہ اے اللہ میرے اس چلنے کے حق اور وسیلہ سے میرے اس کام کو پورا کردے) کا ذکر ہی ہے اس کے جواز میں تو کوئی کلام ہی نہیں اسی طرح بعض دعوات میں آیا ہے: اسئلک بحق السائلین فان للسائل علیک حقا۔ الخ (کہ میں تجھ سے سائلین کے حق کے واسطے سے دعا کرتا ہوں کیونکہ سائلین کا بھی تجھ پر حق ہے۔) اس میں بھی اس طرف اشارہ موجود ہے۔ اب ہم مناسب خیال کرتے ہیں کہ چند دلائل اس بارہ میں قرآن و حدیث سے اور بزرگانِ دین کے اقوال سے ذکر کریں تاکہ مسئلہ کی حقیقت اچھی طرح واضح ہو جائے:

۱۔ وکان حقا علینا نصر المؤمنین (دوم آیت) وفی تفسیر ابن کثیرؒ تحت قولہ تعالیٰ وکان حقا علینا نصر المؤمنین روی بن ابی حاتم حدثنا ابن نفیل حدثنا موسیٰ بن اعین عن لیث عن شھر بن حوشب عن ام الدرداء عن ابی الدرداءؓ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ما من امرء مسلم یرد عن عرض اخیہ الا کان حقا علی اللہ ان یرد عنہ نار جہنم یوم القیامۃ ثم تلا ھذہ الآیۃ وکان حقا الآیۃ۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حق ہے ہم پر ایمان والوں کی مدد و نصرت کرنا تفسیر ابن کثیرؒ میں اس آیت کے تحت ابن ابی حاتم کے حوالہ سے حضرت ابو الدرداءؓ کی روایت نقل کی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ جو مسلم اپنے مسلم بھائی کی عزت و ناموس کی طرف سے دفاع کریگا تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ قیامت والے دن اس سے جہنم کی آگ کو ہٹا دے۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

وفی المظہری ص۲۵۲ج۲ تحت ھذہ الآیۃ بعد نقل الروایۃ "اخرجہ الترمذی وحسنہ واخرجہ اسحاق بن راھویہ والطبرانی وغیرھما من حدیث اسماء بنت یزید۔

اور تفسیر مظہری میں اسی آیت کے تحت اس روایت کو نقل کرنے کے بعد حضرت قاضی ثناء اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو امام ترمذی نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے اور اس کی سند کی تحسین کی ہے۔ نیز اسکو امام اسحاق بن راہویہ اور طبرانی اور ان کے علاوہ دوسرے محدثین نے بھی حضرت اسماء بنت یزید کی روایت سے بیان کیا ہے۔

۲۔ عن معاذؓ قال کنت ردف النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی حمار لیس بینی وبینہ الا مؤخرۃ الرحل فقال یا معاذ ھل تدری ما حق اللہ علی عبادہ وما حق العباد علی اللہ قلت اللہ ورسولہ اعلم قال فان حق اللہ علی العباد ان یعبدوہ ولا یشرکوا بہ شیئا وحق العباد علی اللہ ان لا یعذب من لا یشرک بہ شیئا فقلت یا رسول اللہ افلا ابشر بہ الناس قال لا تبشرھم فیتکلوا۔[1]

حضرت معاذؓ روایت فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ردیف تھا ایک گدھے پر آپ کے درمیان اور میرے درمیان صرف پالان کے پچھلے حصہ کا فاصلہ تھا۔ یعنی میں بالکل آپ کے قریب تھا آپ نے فرمایا معاذ جانتے ہو اللہ تعالیٰ کا کیا حق ہے بندوں پر اور بندوں کا کیا حق ہے اللہ تعالیٰ پر۔ معاذ نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ بندے اسکی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور بندوں کا حق یہ ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کریں تو اللہ تعالیٰ نہیں بخش دیں۔ معاذ نے کہا کہ حضور کیا میں لوگوں کو اسکی بشارت نہ سنا دوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ اگر تم لوگوں کو اسکی بشارت سنا دوگے تو وہ کام کرنے سے رک جائیں گے۔ اور اسی پر بھروسہ کرلیں گے۔

۳۔ عن ثوبانؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من عبد مسلم یقول اذا امسی واذا اصبح ثلثا رضیت باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نبیا

حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان بندہ صبح اور شام تین مرتبہ یہ دعا مانگتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کو رب مان کر اور اسلام کو دین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی مان کر راضی ہوا ہوں تو

---

[1] مشکوٰۃ ص۱۴ متفق علیہ

الاکان حقا علی اللہ ان یرضیہ یوم القیامۃ۔ [1]

اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ ایسے شخص کو قیامت والے دن راضی کردے۔

۴۔ عن معاذ بن جبل رضی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من صام رمضان و صلی الصلوٰۃ وحج البیت لا ادری اذکر الزکوٰۃ ام لا الاکان حقا علی اللہ ان یغفر لہ ان ھاجر فی سبیل اللہ او مکث بارضہ التی ولد بہا۔ الحدیث [2]

حضرت معاذؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے رمضان کے روزے رکھے اور نماز پڑھی اور بیت اللہ کا حج کیا۔ (حضرت معاذ فرماتے ہیں کہ) مجھے یاد نہیں کہ حضور نے زکوٰۃ کا ذکر کیا یا نہیں تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ اس بندے کو بخش دے چاہے وہ اللہ کی راہ میں ہجرت کرے یا اسی زمین میں ٹھہرا رہے جہاں پیدا ہوا ہے۔

۵۔ انس بن مالک رضی قال کان اخوان علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکان احدھما یاتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم والآخر یحترف فشکا المحترف اخاہ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال لعلک ترزق بہ [3]

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دو بھائی تھے۔ ایک حضور کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتا رہتا تھا، اور دوسرا بھائی پیشہ کرتا تھا چنانچہ اسی پیشہ کرنے والے نے اپنے بھائی کی شکایت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجھے کیا خبر شاید تجھے اسکی برکت سے روزی ملتی ہو۔

۶۔ عن ابی الدرداء رضی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ابغونی فی ضعفائکم فانما ترزقون او تنصرون بضعفائکم [4]

حضرت ابو درداءؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نے فرمایا کہ مجھے اپنے ضعیفوں اور کمزوروں میں تلاش کرو (یعنی اگر میری رضا مطلوب ہے تو کمزوروں اور ضعیفوں کو راضی کرو میری رضا حاصل ہوگی) بیشک تمہیں روزی ملتی ہے یا تمہاری امداد کی جاتی ہے ضعیفوں کے طفیل۔

۷۔ عن امیہ بن خالد بن عبد اللہ بن اسید رضی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان یستفتح بصعالیک المہاجرین رضی اسکہ بفقرائھم وبرکۃ دعائھم فی الغلبۃ

حضرت امیہ بن خالد بن عبد اللہ بن اسیدؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فتح طلب کرتے تھے فقراء مہاجرین کے وسیلہ سے اور یعنی غلبہ حاصل کرنے کے لئے جو دعا کرتے تھے اس میں ان کی برکت

---

[1] احمد، ترمذی ۔۔۔ مشکوٰۃ صفحہ ۲۱۱ [2] ترمذی صفحہ ۲۶۲ [3] ترمذی صفحہ ۳۲۹ [4] ابوداؤد، مشکوٰۃ صفحہ ۴۴۷

ای یستنصر بہم ومنہ قولہ تعالیٰ	سے مدد اور نصرت طلب کرتے تھے جیسا کہ
ان تستفتحوا فقد جاءکم الفتح	ان تستفتحوا کی آیت میں یہی معنی مراد لیا گیا ہے
وقال ابن الملک بان یقول اللہم	محدث ابن ملکؒ فرماتے ہیں کہ اپنی دعا میں یوں
انصرنا علی الاعداء بحق عبادک الفقراء	کہے کہ اے اللہ ہمیں دشمنوں پر غلبہ عطا فرما اپنے
المهاجرین وفیہ تعظیم الفقراء والرغبۃ	بندے فقراء مہاجرین کے حق سے اور اس میں اشارہ
الی دعاءھم والتبرک بوجودھم[1]	ہے۔ فقراء کی تعظیم کی طرف اور ان سے دعا کرانے

کی رغبت ہے اور ان کی ذات سے تبرک حاصل کرنے کی طرف

جیسا کہ بلغۃ الحیران ص۲ میں ہے کہ "یعنی اے اہل کتاب پہلے تو تم کہتے تھے کہ رسول خاتم النبیین جو کہ آنے والے ہیں اس کے ہمراہ ہو کر جنگ کریں گے اس رسول کے وسیلہ سے فتح کی دعا مانگتے تھے جیسا کہ قال تعالیٰ وکانوا یستفتحون علی الذین کفروا - الخ اب وہ رسول آخر الزمان آگیا ہے۔"

اسی طرح بلغۃ الحیران میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے قول "مجھے مصیبت کے وقت پکارو" کی توجیہ اس طرح کی گئی ہے کہ اذکرنی۔ اس کا معنی یہ ہے کہ میرے توسل سے دعا مانگو۔

۸ — عن عثمان بن حنیفؓ ان اعمی اتی	حضرت عثمان بن حنیف سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال	ایک نابینا شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
یارسول اللہ ادع اللہ ان یکشف لی	کی خدمت اقدس میں آیا اور اس نے عرض کیا کہ
عن بصری قال او ادعک قال یارسول	حضرت آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ
اللہ انہ قد شق علی ذھاب بصری	میری آنکھوں کی بینائی کھول دے آنحضرت
قال فانطلق فتوضأ ثم صل رکعتین	صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تجھے اسی حالت
ثم قل اللہم انی اسئلک واتوجہ	پر کیوں نہ چھوڑ دوں، اس شخص نے عرض کیا۔ کہ
الیک بنبی محمد نبی الرحمۃ یامحمد انی	حضور میری آنکھوں کی روشنی چلے جانے سے
اتوجہ الی ربی بک ان یکشف لی	مجھے بڑی تکلیف ہے۔ حضور نے فرمایا اچھا جاؤ
عن بصری اللہم شفعہ فی وشفعنی	وضو کرو پھر دو رکعت نماز پڑھو اس کے بعد اس
فی نفسی" فرجع وقد کشف اللہ عن	طرح دعا کرو کہ اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں
بصرہ رواہ الترمذی قال حدیث	اور اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تیری طرف

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج۵ ص۲۳۴

حسن صحیح غریب والنسائی واللفظ له
وابن ماجه وابن خزیمة فی صحیحه
والحاکم وقال صحیح علی شرط البخاری
ومسلم ولیس عند الترمذی * ثم
صلی رکعتین * انما قال فامره ان
یتوضأ فیحسن الوضوء ثم یدعو
بهذا الدعاء فذکر بنحوه ورواه
فی الدعوات ورواه الطبرانی (له)
وذکر فی اوله قصة وهو ان رجلا
کان یختلف الی عثمان بن عفان رض
فی حاجة له وکان عثمان لا یلتفت الیه
ولا ینظر فی حاجته فلقی عثمان بن
حنیف فشکا ذالک الیه فقال له
عثمان بن حنیف ائت المیضاة
فتوضأ ثم ائت المسجد فصل فیه
رکعتین ثم قل اللهم انی اسئلك
واتوجه الیك بنبینا محمد صلی الله
علیه وسلم نبی الرحمة یا محمد انی
اتوجه بك الی ربی فیقضی حاجتی
وتذکر حاجتك ورح حتی اروح
معك فانطلق الرجل فصنع ما
قال ثم اتی الی باب عثمان فجاء

متوجہ کرتا ہوں جو رحمت والے نبی ہیں. اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کو متوجہ کرتا ہوں اپنے رب کی طرف تاکہ وہ میری آنکھوں کی بینائی کھول دے اے اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما اور میرے حق میں ان کو شفیع بنا دے : اس کے بعد وہ شخص واپس لوٹا اس حالت میں کہ اللہ تعالیٰ نے اسکی بینائی لوٹا دی.
اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے اپنی کتاب میں روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے اور یہ الفاظ نسائی ہی کے ہیں اور ابن ماجہ نے بھی اس کو روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ نے اس کو اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور حاکم نے بھی روایت کیا ہے. اور کہا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے اور بخاری اور مسلم کی شرط پر ہے. البتہ امام ترمذیؒ نے جو روایت بیان کی ہے اس میں دو رکعت پڑھنے کا ذکر نہیں ہے بلکہ اس میں یہ ذکر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے یہ فرمایا کہ وہ اچھی طرح وضو کرے اور پھر یہ دعا مانگے اس حدیث کو امام ترمذی نے کتاب الدعوات میں بیان کیا ہے اور اس حدیث کو طبرانی نے بھی روایت کیا ہے اور اسکی ابتداء میں ایک واقعہ

له اس روایت کو طبرانیؒ نے معجم صغیر ص۱۰۳ میں بیان کیا ہے اور نیز سبکیؒ نے شفاء السقام میں بیان کیا ہے طبرانیؒ نے اسکو معجم کبیر میں بھی روایت کیا ہے. حضرت عثمان بن حنیف رض کے ترجمہ (حالات) میں اور یہ طبرانی کے جزء نمبر ۵ میں ہے. ۱۲. سواتی.

البواب حتی اخذ بیده فادخله علی
عثمان بن عفانؓ فاجلسه معه علی الطنفسة
قال ما حاجتك فذكر حاجته فقضاها له
ثم قال ما ذكرت حاجتك حتی هذه
الساعة وقال ما كانت لك من حاجة
فائتنا ثم ان الرجل خرج من عنده
فلقی عثمان بن حنیف فقال له جزاك الله
خیراً ما كان ینظر فی حاجتی ولا یلتفت
الی حتی كلمته فقال عثمان بن حنیف
والله ما كلمته ولكن شهدت رسول الله
صلی الله علیه وسلم واتاه رجل ضریر
فشكا الیه ذهاب بصره فقال النبی صلی الله
علیه وسلم او تصبر فقال یا رسول الله
انه لیس لی قائد وقد شق علی فقال
النبی صلی الله علیه وسلم ائت المیضاة
فتوضأ ثم صل ركعتین ثم ادع بهذه
الدعوات فقال عثمان بن حنیف فوالله
ما تفرقنا وطال بنا الحدیث حتی دخل
علینا الرجل كانه لم یكن له ضر قط قال
الطبرانی بعد ذكر طرقه والحدیث صحیح[1]

بیان کیا ہے کہ ایک شخص اپنے کسی مقصد
کے لئے حضرت عثمان بن عفانؓ کی خدمت
میں مختلف اوقات آتا جاتا تھا لیکن حضرت
عثمان اسکی طرف التفات نہیں فرماتے
تھے اور اسکی حاجت کیطرف توجہ نہیں کرتے
تھے وہ شخص حضرت عثمان بن حنیفؓ
سے ملا اور اس بارہ میں شکوہ کیا (کہ حضرت
عثمانؓ میری حاجت کیطرف توجہ نہیں فرماتے)
حضرت عثمانؓ بن حنیف نے اس شخص سے
کہا کہ وضو کی جگہ پہ جاکر وضو کرو پھر مسجد
میں جاکر دو رکعت نماز پڑھو اور پھر اسطرح
دعا کرو۔ "اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں
اور تیری طرف میں اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کو متوجہ کرتا ہوں جو رحمت والے نبی ہیں۔
اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آپ کو اپنے
رب کیطرف متوجہ کرتا ہوں (سفارشی بناتا ہوں)
کہ میری حاجت پوری کر دی جائے" اور
اس کے بعد اپنی حاجت کا ذکر کرو پھر میرے
پاس آؤ تاکہ میں تمہارے ساتھ حضرت عثمانؓ
کے پاس جاؤں چنانچہ اس شخص نے حضرت

---

[1] الترغیب والترہیب للمنذریؒ صفحہ ۲۴۲ ج ۱ - اس حدیث کو طبرانی نے بھی اپنی معجم صغیر ص ۱۰۳ اور ص ۱۰۴ میں کئی سندوں کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اور آخر میں کہا ہے کہ اس حدیث کو شعبہ نے ابی جعفر خطمی (جس کا نام عمیر بن یزید ہے اور وہ ثقہ ہے) سے روایت کیا ہے اور پھر اس روایت کو حضرت شعبہ سے صرف عثمان بن عمر بن فارس نے ہی روایت کیا ہے اور حدیث صحیح ہے۔ اور کوکب الدری کے حاشیہ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب نے نقل کیا ہے کہ "والحدیث صححه الحاکم واقره علیه الذهبی" یعنی اس حدیث کی امام حاکمؒ نے تصحیح کی ہے اور امام ذہبیؒ نے بھی اس کو اسیطرح برقرار رکھا ہے۔ ۱۲ سواتی

عثمان بن حنیف کے فرمان پر عمل کیا اور پھر حضرت عثمانؓ کے دروازے پر آیا دربان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر حضرت عثمانؓ کے پاس پہنچا دیا۔ حضرت عثمانؓ نے اسے اپنے ساتھ چٹائی پر بٹھایا اور پوچھا کہ تمہارا کیا کام ہے۔ اس نے اپنا مقصد بیان کیا حضرت عثمانؓ نے وہ پورا کر دیا اور پھر حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ تمہارا کام مجھے یاد ہی نہیں رہا حتی کہ یہ وقت آگیا اور پھر فرمایا کہ تمہارا جو کام ہو ہمارے ہاں چلے آنا پھر وہ شخص وہاں سے نکل کر حضرت عثمان بن حنیفؓ سے ملا اور اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے حضرت عثمان بن عفانؓ تو میری ضرورت کی طرف نگاہ نہیں اٹھاتے تھے اور میری طرف التفات و توجہ نہیں کرتے تھے۔ جب تک کہ آپ نے ان سے میرے بارے میں گفتگو نہیں کی حضرت عثمان بن حنیف نے فرمایا کہ بخدا میں نے تو ان سے کوئی گفتگو نہیں کی بلکہ میں نے دیکھا ہے کہ ایک نابینا شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور اس نے حضورؐ کے سامنے اپنے نابینا ہونے کی تکلیف کا اظہار کیا حضورؐ نے فرمایا کیا تم صبر نہیں کرتے اس شخص نے عرض کیا کہ حضور میرا قائد (رہنما) کوئی نہیں اور مجھے بڑی تکلیف ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ وضو کرو اور پھر دو رکعت نماز پڑھو اور اس کے بعد یہ دعا مانگو۔ حضرت عثمان بن حنیفؓ فرماتے ہیں کہ بخدا ابھی ہم مجلس سے جدا بھی نہیں ہوئے تھے کیونکہ ہماری مجلس میں بات چیت دراز ہو گئی تھی کہ وہ نابینا شخص آیا تو ایسا تھا کہ گویا اسکو اس سے قبل کوئی تکلیف نہیں پہنچی یعنی اس کی بینائی آنکھوں میں بالکل صحیح حالت میں ہو گئی۔ طبرانی نے اس حدیث کے متعدد طرق (مختلف سندیں) ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

یہ حدیث نص صریح ہے، اس بات پر کہ وفات کے بعد توسل بالذات کرنا جائز اور صحیح ہے ـــــــ

بعض حضرات صاحب ہدایہ کی یہ عبارت پیش کرتے ہیں، اور یہ تقریباً فقہ کی دوسری کتابوں میں بھی موجود ہے۔

ویکرہ ان یقول فی دعائہ بحق	اور مکروہ ہے کہ کوئی شخص اپنی دعا میں یوں کہے
فلان او بحق انبیائک ورسلک	کہ بحق فلاں یا بحق انبیاء ورسلک کیونکہ مخلوق کا
لانہ لاحق للمخلوق علی الخالق۔	کوئی حق نہیں خالق پر۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ عبارت اپنے اطلاق پر نہیں ہے ورنہ مندرجہ بالا احادیث بالکل اس کے خلاف واقع ہوں گی اصل بات یہ ہے کہ صاحب ہدایہ معتزلہ کے عقیدہ کی تردید کر رہے ہیں اور اس رد کے سبب

لہ ہدایہ اخیرین ص۴۵۵

ہی فقہاء گویا اپنے سامنے معتزلہ کو رکھ کر ایسی عبارتیں لکھتے رہتے ہیں کیونکہ معتزلہ کا عقیدہ ہے۔ وجوب اصلح علی اللہ یعنی جو چیز بندے کے لئے اصلح ہو وہ اللہ پر واجب ہے۔ اس اعتقاد کی تردید کے لئے صاحب ہدایہ نے یہ فرمایا یہ بات دلیل سے بالکل واضح ہے۔ لیکن وہ حق جو اللہ تعالیٰ نے محض اپنے اختیار اور فضل سے اپنے ذمہ لیا ہے۔ اس کی تردید نہیں اور احادیث وآیات میں اسی حق کا ذکر ہے (حق الفضل والکرم لاحق الوجوب) دعا میں اسی حق کا واسطہ دیا جاتا ہے۔ کیونکہ صاحب ہدایہ نے اس سے قبل یہ لکھا ہے۔ کہ :

قال (صاحب جامع الصغیر) ویکرہ	یعنی مکروہ ہے کہ کوئی شخص یہ کہے اپنی
ان یقول الرجل فی دعائہ اسئلک	دعا میں کہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیرے
بمعقد العز من عرشک .	عرش کے مقام عزت کے واسطے سے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اس لفظ کو دو طرح پڑھا گیا ہے۔ معقد اور مقعد یہ ثانی بلاشبہ مکروہ ہے۔ کیونکہ یہ قعود سے مشتق ہے۔ (اب اللہ تعالیٰ کو قعود علی العرش کے وصف سے موصوف کرنا بالکل غلط ہے۔ اور یہ تو فرقہ مجسمہ کا مذہب ہے جو باطل ہے) اور اگر یہ معقد ہو تو یہ اس لئے مکروہ ہے کہ یہ توہم ہے اس بات کا کہ عزت کا تعلق عرش کے ساتھ ہے۔ (اس سے یہ وہم ہوگا کہ یہ عزت بھی حادث ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق محدث کے ساتھ ہوا یعنی عرش کے ساتھ حالانکہ عزت تو اللہ تعالیٰ کی صفت قدیمہ ہے۔ ہمیشہ اس کے ساتھ موصوف تھا اور رہے گا۔) اور عرش محدث ہے اور اللہ تعالیٰ بجمیع صفات قدیم ہے۔ لیکن امام ابویوسفؒ سے منقول ہے کہ ایسا اپنی دعا میں کہنے سے کوئی حرج نہیں اور یہی مسلک فقیہ ابواللیثؒ نے اختیار کیا ہے۔ کیونکہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ماثور ہے۔ (جیسا کہ بیہقی نے دعوات کبیر میں حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کیا ہے) کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا میں فرماتے تھے "اللھم انی اسئلک بمعقد العز من عرشک ومنتھی الرحمۃ من کتابک وباسمک الاعظم وجدک الاعلی وکلماتک التامۃ" لیکن ہم کہتے ہیں کہ یہ خبر واحد ہے۔ اور احتیاط اس سے رک جانے میں ہے" ظاہر ہے کہ صاحب ہدایہ اور اس قسم کے دوسرے فقہاء کرام کے سامنے باطل فرقے مثلاً مجسمہ اور معتزلہ کا عقیدہ ہے، اس کی تردید منظور ہے نہ کہ مطلقاً عدم جواز ورنہ ان مذکورۃ الصدر احادیث کا کچھ معنی نہیں بن سکے گا۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کا ارشاد ہے :

ومن ادب الدعاء تقدیم الدعاء علی اللہ	اور دعا کے آداب میں یہ ہے کہ دعا مانگنے

والتوسل بنبی اللہ لیستجاب ہ[1] سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرے اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ توسل کرے تاکہ دعا مستجاب ہو۔ (درود بھی توسل کی ایک صورت ہے۔)

حضرت مولانا حسین علیؒ فرماتے ہیں کہ:

"قاعدہ جلیلہ صـ۹۴ میں ہے وسیلہ پکڑنا ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیچ دعا کے بعد وفات کے بعض صحابہ اور تابعین اور امام احمد وغیرہ سے منقول ہے اس کا معنی ہے اسئلک بنبیک محمد ای اسئلک بایمانی بہ وبمحبتہ (یعنی میں تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان اور محبت کے طفیل سے سوال کرتا ہوں) صـ۳۸ میں ہے التوسل بالایمان والطاعۃ اصل الایمان۔ یعنی ایمان اور طاعت کے ساتھ توسل کرنا تو اصل ایمان ہے۔"[2]

حضرت خواجہ محمد عثمانؒ فرماتے ہیں کہ:

دبایدمرید راکہ توسل کند بحق تعالیٰ بمشائخ کرام خود دریک وقت از روز وشب اولیٰ بعد از تہجد است واگر دو وقت کند اولیٰ تر است وطریقش اینکہ بخواند فاتحہ را واخلاص راسہ بار باز گوید الٰہی برسان ثواب آنچہ خواندہ ام بروح مقدس سید المرسلین وشفیع المذنبین سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم وبارواح علیہ جمیع انبیاء ومرسلین وملائکہ

اور مرید کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے مشائخ کرام کیساتھ شب وروز میں ایک دفعہ وسیلہ کرے اور بہتر وقت تہجد کے بعد ہے اگر دو وقت کرے تو زیادہ بہتر ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ فاتحہ ایک بار پڑھے اور تین بار سورۃ اخلاص پڑھے اور پھر کہے کہ الٰہی جو کچھ میں نے پڑھا ہے۔ اس کا ثواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مقدس پہنچا دے

---

[1] حجۃ اللہ البالغۃ صـ$\frac{۲۰۳}{ج ۱}$ — [2] البیان فی تفسیر القرآن صـ۹۶

[3] اس کے حاشیہ پر حضرت مولانا حسین علیؒ فرماتے ہیں کہ:

حضرت قبلۂ ما فرمودند بعد از ہر نماز فرض دعائے از حق تعالیٰ بواسطہ حضرات قدس اللہ اسرارہم بخوانند۔

ہمارے قبلہ مرشد صاحب نے فرمایا ہے کہ ہر نماز فرض کے بعد دعا اللہ تعالیٰ سے کرے بواسطہ حضرات مشائخ رح

و مقربین و صحابہ و تابعین و اولیاء و صالحین خصوصاً حضرات نقشبندیہ احمدیہ قدس اللہ اسرارہم و بعد ازاں بگوید۔	اور تمام انبیاء اور مرسلین کی ارواح اور ملائکہ و مقربین اور صحابہ اور تابعین اولیاء اور صالحین خصوصاً حضرات نقشبندیہ احمدیہ کے ارواح کو ۔۔۔

اور پھر اس کے بعد یوں کہے :

الٰہی بحرمت شفیع المذنبین ۔ الخ ۔

الٰہی بحرمت غوث اوان قطب زمان حضرت شاہ ابوسعید احمدیؒ ۔

الٰہی بحرمت غوث اوان محبوب رحمان حافظ قرآن وسیلتنا الی اللہ المجید حضرت شاہ احمد سعیدؒ ۔

الٰہی بحرمت حاجی الحرمین الشریفین مقبول رب المشرقین والمغربین وسیلتنا الی اللہ الصمد حضرت حاجی دوست محمد قندھاریؒ ۔

الٰہی بحرمت حضرت خواجہ مشکل کشا سید الاولیاء سند الاتقیاء زبدۃ الفقہاء رأس العلماء رئیس الفضلاء شیخ المحدثین قبلۃ السالکین امام العارفین برھان المعرفۃ شمس الحقیقۃ فرید العصر وحید الزمان حاجی الحرمین الشریفین مظہر فیض الرحمٰن پیر دستگیر حضرت مولانا محمد عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۔ [1]

یاد رہے کہ مجموعۂ فوائد عثمانی جس کو حضرت خواجہ محمد عثمانؒ کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا سید محمد اکبر علی شاہ صاحب دہلوی حنفی نقشبندی مجددی نے مرتب کیا ہے ۔ اس میں ملفوظات ، مکتوبات ، معمولات ، عبارات ، کرامات ، خلفاء کے حالات اور دیگر مسائل تصوف کا بیان ہے ۔ اس کا تعارف جامع نے ان الفاظ سے کرایا ہے کہ :

"این رسالہ است در احوال جناب خواجہ مشکل کشا سید الاولیاء سند الاتقیاء زبدۃ الفقہاء رأس العلماء رئیس الفضلاء شیخ المحدثین قبلۃ السالکین امام العارفین برھان المعرفۃ شمس الحقیقۃ فرید العصر وحید الزمان حاجی الحرمین الشریفین مظہر فیض الرحمٰن پیر دستگیر حضرت مولانا محمد عثمان صاحب قلبی و روحی و اھلی و مالی فداہ "

اور فوائد عثمانی کی تصحیح حضرت مولانا حسین علیؒ نے کی ہے اور جا بجا اس پر حواشی بھی تحریر فرماتے ہیں ۔ اور

---

[1] فوائد عثمانی ص ۱۷

آخر میں صداقت نامہ بھی لکھا ہے، ان الفاظ کے ساتھ ——— حمد و صلوٰۃ کے بعد :

اما بعد فیقول الفقیر الحقیر المدعو بحسین علی انی طالعت ھذا الکتاب من اولہ الی آخرہ بامر سیدی ومولائی حضرت سیدی محمد سراج الدین لا زالت فیوضاتہ علینا فائضۃ نفعنا اللہ تعالیٰ بھذا الکتاب والناظرین الآخرین آمین یارب العالمین۔

کہتا ہے بندہ فقیر جس کو حسین علی کے نام سے پکارا جاتا ہے کہ میں نے اس کتاب کا مطالعہ اوّل سے آخر تک، اپنے آقا اور مرشد حضرت خواجہ محمد سراج الدینؒ کے حکم سے کیا ہے۔ ان کے فیوضات ہم پر ہمیشہ فائض، اللہ تعالےٰ اس کتاب سے ہم کو فائدہ پہنچائے۔ اور دوسرے ناظرین کو بھی۔ آمین یا رب العالمین۔

اسی فوائد عثمانی میں ہے کہ :

فرمودند (لطیفہ) اکثر تنازعات دین و دنیا از حب جاہ و ریاست اند کہ صادق و مصدوق فرمودہ حب الدنیا راس کل خطیئۃ چنانچہ تنازعات "لامذہبیان" واہل وجاعت" درباب امداد اولیاء کرام ورنہ ہیچکس از اہل اسلام قائل نیست کہ انبیاء علیہم السلام و اولیاء اللہ استقلالاً ضار و نافع اند اگر ہستند سبب ہستند و انکار ایشاں محض خالی از عناد نیست چراکہ در ہمہ کار عادۃ اللہ جاری ست کہ مسبب بسبب باشد۔

حضرت خواجہ محمد عثمانؒ نے فرمایا کہ اکثر دین و دنیا کے تنازعات اور جھگڑے حب جاہ اور ریاست کی طلب کی وجہ سے واقع ہوتے ہیں کیونکہ صادق و مصدوق (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ہے۔ کہ دنیا کی محبت تمام گناہوں کی اصل اور جڑ ہے۔ جیسا لامذہبوں اور اہل سنت کے تنازعات اولیاء کرام کی امداد کے متعلق ہیں۔ ورنہ اہل اسلام میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہ ہوگا کہ اولیاء کرام کو استقلالاً نافع اور ضار کہتا ہو، مگر ہیں تو محض سبب ہیں۔ اور ان (لامذہبوں) کا انکار محض عناد کی وجہ سے ہے کیونکہ عادۃ اللہ جاری ہے۔ تمام کاموں میں مسبب سبب کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے مسئلہ استمداد پر روشنی ڈالی ہے۔ چنانچہ فتاوٰی عزیزی سے ہم نقل کرتے ہیں :

"سوال ——— انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء کرام شہداء عظام اور صلحاء عالی مقام سے ان کی وفات کے بعد اس طرح استمداد کرنا کہ اے فلاں حق تعالیٰ سے مرے لئے آپ حاجت طلب کریں اور میرے لئے سفارش کریں اور میرے لئے دعا کریں کیا یہ بات درست ہے یا نہیں؟

جواب ——— اموات سے استمداد خواہ قبور کے نزدیک ہوں یا غائبانہ بلاشبہ بدعت

ہے۔ اور صحابہ اور تابعین کے زمانے میں نہیں تھا۔ لیکن اس میں اختلاف ہے کہ یہ کس قسم کی بدعات میں سے ہے۔ آیا بدعت سیئہ ہے یا بدعت حسنہ[1] اور نیز حکم بھی مختلف ہوتا ہے استمداد کے طرق کے مختلف ہونے سے اگر استمداد اس طریق پر ہو جس طرح سوال میں مذکور ہے تو ظاہر ہے کہ یہ جائز ہے۔ اس لئے کہ اس صورت میں شرک نہیں ہوتا یہ اس طرح ہی ہے جس طرح صلحاء سے دعا۔ اور التجا کیلئے ان کی زندگی میں استمداد کی جاتی ہے۔ اگر دوسری طرح ہو گی تو اس کا حکم بھی اسی کے موافق جدا ہو گا۔ اور حدیث شریف میں حاجت براری کے لئے اس طرح وارد ہوا ہے کہ حضرت عثمان بن حنیف رضی سے روایت ہے کہ ایک نابینا شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور اس نے کہا کہ آپ میرے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے عافیت دے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم صبر کرو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہو گا اس نے کہا کہ حضرت آپ دعا فرمائیں آپ نے حکم دیا کہ وضو کرو اور پھر یہ دعا مانگو " اللھم انی اسئلك واتوجه اليك ۔ الخ[2]

نیز شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ " اور استمداد کی صورت یہی ہے کہ محتاج انسان اپنی حاجت طلب کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے کسی بندہ مکرم کی روحانیت کے توسل سے جو کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقرب و برگزیدہ ہوتا ہے اور محتاج یہ کہتا ہے کہ اے بندہ خدا! اور اے اللہ کے ولی میرے لئے سفارش کر اور اللہ تعالیٰ سے میرے لئے مطلوب کو طلب کر تا کہ اللہ تعالیٰ میری حاجت کو پورا کرے۔ بندہ تو درمیان میں صرف وسیلہ ہی ہے۔ قادر اور معطی اور مسئول تو پروردگار ہی ہے اور اس میں کسی قسم کا شائبہ شرک بھی نہیں جیسا کہ (توسل کے) منکر نے وہم کیا ہے اور یہ بالکل اسی طرح ہے جیسا کہ توسل اور طلب دعا صلحاء اور دوستان خدا سے حالت حیات میں کرتا ہے اور یہ بالاتفاق جائز ہے تو یہ توسل بعد از وفات کیسے ناجائز ہو گا کیونکہ ارواح کاملین میں حین حیات اور بعد از ممات کچھ فرق نہیں سوائے اس کے کہ کمال کیطرف ترقی ہوتی ہے۔ چنانچہ شرح مشکوٰۃ میں ہے اور شرح صدور میں سیوطیؒ نے مفصل ذکر کیا ہے اور احادیث و روایات متعدد طرق سے بیان کی ہیں۔[3]

---

[1] یاد رہے کہ "بدعت حسنہ" ان علماء حق کی اصطلاح میں وہی ہوتی ہے جو سنت کے مخالف نہ ہو جیسا کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا ہے کہ ہر بدعت ضلالت ہے۔ اور اسکی تفریق درست نہیں اور جسکو علماء بدعت حسنہ کہتے ہیں وہ سنت کی قسم ہی ہوتی ہے۔ جیسے صلوٰۃ تراویح پر حضرت عمرؓ نے نعمت البدعة ہذہ کا اطلاق فرمایا ہے۔ جیسا کہ بخاری شریف اور دیگر کتب احادیث میں موجود ہے۔ فافہم۔ ۱۲ سواتی

[2] فتاویٰ عزیزی صفحہ ۸۹ ج ۱ [3] ایضاً صفحہ ۱۰۸ ج ۲

حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ صراطِ مستقیم میں فرماتے ہیں:" افادہ ۴ ــــ منجملہ صوفی شعار مشرکین کی بدعات میں سے جو کہ خواص و عوام اہلِ زمانہ میں عموماً اور ملک ہندوستان میں خصوصاً شہرت یافتہ ہیں۔ اور بعضے مقبولانِ حق بھی اس میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ وہ ہے مرشد کی تعظیم میں اس درجہ کا افراط کہ اس کے خدا ہونے یا نبی ہونے کا اعتقاد ظاہر ہو پس ضروری بات ہے کہ اس معاملہ کی حدِ اعتدال کو سمجھ لینا چاہیے۔ جس کا بیان یہ ہے کہ:

مرشد بلاریب وسیلہ راہ خدائے تعالیٰ است	مرشد بلاشبہ راہ خدا کا وسیلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ
قال اللہ تعالیٰ یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ	نے فرمایا ہے کہ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو
وابتغوا الیہ الوسیلۃ وجاھدوا فی سبیلہ	اور اسکی طرف پہنچنے کے لئے وسیلہ تلاش کرو
لعلکم تفلحون۔ (المائدہ)	اور اسکے رستہ میں جہاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

اس آیت میں فلاح کے لئے چار چیزیں مقرر فرمائی ہیں۔ ایک ایمان دوسری تقوٰی تیسری طلب وسیلہ اور چوتھی چیز اللہ کی راہ میں جہاد اہل سلوک اس آیت سے سلوک کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں اور مرشد کو وسیلہ جانتے ہیں۔ اس لئے مرشد کی تلاش حقیقی فلاح اور یقینی کامیابی کے لئے مجاہدہ سے پہلے ضروری ہے اور سنۃ اللہ بھی اسی طرح جاری ہے۔ لہٰذا مرشد کے بغیر کامیابی بہت نادر ہے۔ پس مرشد ایسا پکڑیں کہ وہ کسی طرح بھی شریعت کے مخالف نہ ہو اور صراطِ مستقیم یعنی قرآن و حدیث پر راسخ القدم ہو ایسے شخص کو اپنا مرشد اور ہادی ٹھہرائیں لیکن ایسا نہ ہو کہ مرید ہر حال میں مرشد کے اتباع کو منظور خاطر رکھے۔ بلکہ مطلق پیشوا تو شرح شریف کو جانے اور بالاصالہ اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کا متبع ہو۔ اور جس چیز کا بھی شرع شریف کے مطابق حکم دے اس کا اتباع کرے اور دل و جان کے ساتھ اس کو قبول کرے اور شریعت کے مباح امر کو مرشد کے حکم سے لازم جانے اور جو کچھ شریعت کے خلاف کہے تو ہرگز اس کا اتباع نہ کرے بلکہ اس کو رد کر دے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: لاطاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق: یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت ہرگز نہ کرنی چاہیے اور مرشد کی محبت بھی بایں طور ہونی چاہیے کہ اپنے مال و جان کو مرشد کی رضا اور اس کے آرام کی خاطر صرف کرے اور دنیا کی کسی چیز کو اس کی رضا سے زیادہ عزیز نہ جانے کیونکہ جو فائدہ مرشد سے حاصل ہوگا وہ دنیا کے تمام منافع سے ہزارہا درجہ بہتر ہے لیکن مرشد کی محبت اسطرح ممنوع ہو گی کہ اللہ و رسول کی نافرمانی کو مرشد کی محبت کے سامنے گوارا کرے کیونکہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے دربار سے دور کرنے کا موجب ہے تمام قسم کی محبتیں اور حقوق کی اصل اللہ تعالیٰ کی محبت اور حق ہے۔ اللہ کی محبت اور اس کے حق کے سامنے

کسی اور کی محبت اور حق کو خیال میں لانا اللہ تعالیٰ سے محجوب اور اس کی عنایتوں سے محروم ہوتا ہے۔ اگر پیر کے ساتھ بیعت کرنے کے بعد طالب حق کو اس پیر میں کوئی منکر کام معلوم ہو جائے تو اس کو نصیحت کرنی چاہیئے اور اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے دعا کرنی چاہیئے اور اگر وہ باز نہ آئے اور اس برے کام کو نہ چھوڑے تو اگر وہ کام فساد عقیدہ سے تعلق رکھتا ہے تو اس سے بیعت توڑ دے اور اگر وہ کام فسادِ عقیدہ کی قسم سے نہ ہو تو بیعت نہ توڑے لیکن ایسے مرشد کو آزمائش میں مبتلا خیال کرے اور اس کام میں اس کی پیروی کرنا حرام جان کر اس ابتلاء سے اسکی نجات کے لئے ظاہری اور باطنی کوشش کرتا رہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے منظوم شجرہ طریقت جو سلاسلِ طیبہ میں درج ہے، اور اس کے علاوہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے بھی مناجات مقبول میں ان کو درج کیا ہے۔ حضرت نانوتوی کا شجرہ منظومہ تو کافی طویل ہے بطور نمونہ کے ہم چند اشعار اس کے نقل کرتے ہیں تاکہ مسئلہ توسل پر روشنی پڑ سکے۔

بحق مقتدائے عشق بازاں — رئیس و پیشوائے مقتدایاں
امام راست بازاں شیخ عالم — ولی خاص صدیق معظم
شہہ والا گہر امداد اللہ — کہ بہر عالم است امداد اللہ

آخر میں فرماتے ہیں کہ:

بآں کو رحمۃ للعالمین ست — بدرگاہت شفیع المذنبین است
بحق سرورِ عالم محمد — بحق برتر عالم محمد
بچشم لطف اسے حکم تو بر سر — بحال قاسم بے چارہ بنگر

اس شجرہ کا ابتدائی شعر اس طرح ہے:

الٰہی غرق دریائے گناہم — تو میدانی وخود ہستی گواہم

حضرت مولانا گنگوہی کا شجرہ منظومہ:

شیدی شیخی رشید احمد امام وقت خویش[۱] — دہ مرا صادق یقین از بہر جانش اے غنی
بہر امداد و بنور و حضرت عبد الرحیم — عبد باری عبد ہادی عضد دیں مکی ولی
ہم محمدی و محب اللہ و شاہ ابوسعید — ہم نظام الدین جلال و عبد قدوس واحدی
ہم محمد عارف و ہم عبد حق شیخ جلال — شمس دیں ترک و علاؤ الدین فرید جود غنی
قطب دیں و ہم معین الدین و عثمان و شریف — ہم بو دود و ابو یوسف محمد احمدی
بو اسحاق و ہم بمشاد و ہبیرہ نامور — ہم حذیفہ و ابن ادہم ہم فضیل مرشدی
عبد واحد ہم حسن بصری علی فخر دیں — سید الکونین فخر العالمین بشری نبی
پاک کن قلب مرا تو از خیال غیر خویش — بہر ذات خود شفایم دہ ز امراض دلی

---

[۱] یہ پہلا شعر حضرت مولانا شاہ اشرف علی نے اضافہ فرمایا ہے۔ باقی اشعار حضرت گنگوہی کے ہیں۔ ۱۲۔ سواتی

دل کی روشنی کی وجہ سے دلیل کی ضرورت نہیں ۔ (شیخ نجم الدین کبریٰؒ)

خدا کی معرفت کی سو دلائل ؟ (امام رازیؒ)

امام رازیؒ کی مال و دولت کے ساتھ جاہ و اعزاز میں بھی اس قدر ترقی ہوئی کہ وہ جہاں جاتے تھے امیر وغریب سب ان کی ملاقات و زیارت کو آتے تھے ۔ چنانچہ جب وہ ہرات میں تشریف لے گئے ۔ اور وہاں کے تمام علماء ، صلحاء ، امراء و سلاطین ان کی ملاقات کو آئے تو امام صاحب نے ایک دن دریافت کیا کہ کوئی شخص ایسا بھی باقی رہ گیا ہے ۔ جو ہماری ملاقات کو نہیں آیا ۔؟ لوگوں نے کہا کہ صرف ایک صالح شخص جو اپنے زاویہ میں گوشہ نشین ہے باقی رہ گیا ہے ۔ امام صاحب نے فرمایا کہ میں ایک واجب التعظیم شخص اور مسلمانوں کا امام ہوں ۔ پھر اس نے میری ملاقات کیوں نہیں کی ۔ لوگوں نے اس مرد صالح سے امام صاحب کی یہ بات کہی ، لیکن اس نے کچھ جواب نہیں دیا ۔ اور دونوں میں مخالفت ہو گئی ۔ اس کے بعد شہر کے لوگوں نے ایک دعوت دی اور دونوں نے دعوت کو قبول کیا ۔ اور ایک باغ میں جمع ہوئے ، اب امام صاحب نے ملاقات نہ کرنے کی وجہ دریافت کی تو اس مرد صالح نے کہا کہ میں ایک فقیر آدمی ہوں ۔ نہ میری ملاقات سے کوئی شرف حاصل ہو سکتا ہے ، نہ میری ملاقات نہ کرنے سے کوئی نقص پیدا ہو سکتا ہے ۔ امام صاحب نے کہا کہ یہ جواب تو اہل ادب یعنی صوفیہ کا ہے ۔ اب مجھ سے حقیقت حال بیان کرو ـــــ اس مرد صالح نے کہا کہ کس بنا پر آپ کی ملاقات واجب ہے ۔ امام صاحب نے کہا کہ میں مسلمانوں کا امام اور واجب التعظیم شخص ہوں ۔ اس مرد صالح نے کہا کہ آپ کا سرمایۂ فخر علم ہے ، لیکن خدا کی معرفت راس العلوم ہے ۔ پھر آپ نے خدا کو کیونکر پہچانا ـــــ ؟

امام صاحب نے فرمایا " سو دلیلوں سے " اس مرد صالح نے کہا کہ دلیل کی ضرورت تو شک کے زائل کرنے کیلئے ہوتی ہے ۔ لیکن خدا نے میرے دل میں ایسی روشنی ڈال دی ہے کہ اسکی وجہ سے میرے دل میں شک کا گذر ہی نہیں ہو سکتا ، کہ مجھ کو دلیل کی ضرورت ہو ۔

امام صاحب کے دل پر اس کلام نے اثر کیا ۔ اور اسی مجلس میں اس مرد صالح کے ہاتھ پر توبہ کی اور خلوت نشین ہو گئے ، اور برکات تصوف حاصل کیں ، راوی کا بیان ہے کہ یہ مرد صالح شیخ نجم الدین کبریٰؒ تھے۔[1]

[1] مفتاح السعادۃ ج اوّل ص ۴۵۰ ۔ ۴۵۱

افکار و تاثرات

مجلس احباب

قارئین کے خطوط

ڈائرکٹر دینی تحقیقاتی اکیڈمی کی وضاحت | اس ماہ کے ماہنامہ "الحق" کے شمارے میں مولانا قاضی عبدالکریم صاحب کا مضمون نظر سے گذرا۔ غالباً اس مضمون کا استدلال ایک غلط فہمی پر مبنی ہے جس عبارت پر اس مضمون میں تنقید کی گئی ہے وہ شہباز اخبار سے ماخوذ ہے۔ اصل عبارت جو خطبۂ صدارت میں چھپ کر آئی ہے۔ (جسکی ایک نقل لف ہذا ہے) وہ مندرجہ ذیل ہے :

"بالآخر امیر معاویہؓ کے زمانہ میں معاہدۂ عمرانی اسلام کی پابندی سے پہلا فریق آزاد ہو گیا ــــــ"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ امیر معاویہؓ کی طرف ذاتی طور پر اشارہ نہیں کیا گیا۔ اور نہ ہی خدانخواستہ ان پر الزام تراشی کی گئی ہے۔ بلکہ صرف ایک تاریخی دور کی نشاندہی مقصود تھی۔ علاوہ ازیں استدلال کا واضح ثبوت اس خطبہ کی اگلی چند سطور میں ملتا ہے۔ :

"اب اگر ہم اسلام کی حفاظت چاہتے ہیں۔ تو صرف ایک ہی راستہ ہے کہ اس معاہدۂ عمرانی کو پھر سے نافذ کیا جائے اور وعدہ خلاف فریق کو مجبور کیا جائے کہ وہ اپنی ذمہ داری کو محسوس کرے"

اور آخر میں خلاصہ بحث یہ تھا :

"اس وقت لوگوں میں جو بھوک اور غربت کا چلن ہے۔ اس نے علما و ائمہ کو بھی فقر و فاقہ میں مبتلا کر دیا ہے اور میرے اندازے میں یہ طبقہ اشد تکلیف میں زندگی گذار رہا ہے"

"میں نے اپنی آنکھوں سے اس طبقہ کی غربت اور زبوں حالی کو دیکھا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ طبقہ خصوصیت سے مفلسی کا شکار ہے۔ اس لئے کہ پوری قوم غربت اور بیماری کے عذاب میں گرفتار ہے"

"میری تجویز ہے کہ علماء اگر کوئی فنی تعلیم حاصل کرنا شروع کر دیں اور روحانی ترقی کے ساتھ ساتھ

لوگوں کی مادی ترقی کے لئے بھی کوشش کریں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ نہ صرف علماء کی اپنی حالت بہتر ہو جائے گی۔ بلکہ عوام الناس بھی غربت کی لعنت سے نجات حاصل کر لیں گے۔"

میرا مقصد علماء و ائمہ دین کی خدمت کرنا ہے نہ کہ اسلامی تاریخ یا شعائر میں کوئی رخنہ اندازی کرنا۔ نعوذ باللہ۔

(خیر اندیش۔ محمد مسعود۔ سی ایس پی)

کمال ازم | مسائل حاضرہ پر اپنی کابینہ کے وزراء اور سول حکام کو خطاب کرتے ہوئے صدر ایوب نے اسلام کے بارے میں اپنے جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے، وہ نہ صرف افسوسناک ہیں، بلکہ انہیں صاف طور پر "کمال ازم" کا فتنہ نظر آ رہا ہے۔ اس وقت جبکہ پاکستان اپنے اہم اندرونی و بیرونی مسائل میں الجھا ہوا ہے۔ اور سرکاری نقادوں سے یکجہتی و اتحاد کی آوازیں بھی بلند ہو رہی ہیں۔ سرکاری حلقوں میں اٹھتے بیٹھتے مذہبی تشریح و مذہبی اصول کی بحثیں چھیڑ کر ذہنوں میں انتشار اور جذبات میں اشتعال پیدا کرنا ہنگامی اور ایمرجنسی حالات کا کونسا ناگزیر تقاضا ہے۔ اسلام کے نام پر غلط سیاسی مقاصد کا حصول بلاشبہ ایک نہایت مذموم حرکت ہے جسے علماء اسلام نے کبھی اختیار نہیں کیا، لیکن سیاست کے الزام کی آڑ میں مذہب کو مٹانے کی کوشش اس سے بھی زیادہ مذموم ہے جو آجکل جاری ہے ---- اسلامی اصول اور اسلامی احکام کی تشریح و توضیح میں رائے عامہ یا حکام کی مرضی کو مطلق کوئی دخل نہیں ہے۔ ماہرین علوم شریعت کا قول قول فیصل ہے۔ اور ان کی رائے آخری رائے ہے۔ اگر ملک کے اقتصادی و مالی مسائل میں سابق وزیر خزانہ محمد شعیب صدارتی کابینہ کو تنہا اپنی رائے اور مہارت سے ویٹو کر سکتے ہیں، تو کیا امام ابوحنیفہؒ انہی جیسے معتمد ماہرین علوم اسلامیہ کی مذہبی تشریح اس زمانے کے حکام اور تجدد پسندوں کو ویٹو نہیں کر سکتی۔ پھر ملکی نقطۂ نظر سے اصل مسئلہ پاکستان میں مذاہب اور فرقوں کی مذہبی آزادی کا ہے کہ وہ اپنے اپنے طریقوں کے مطابق مذہب پر عمل کریں، نہ کہ اصلاحِ مذاہب کا۔ اگر اصلاح مذاہب مقصود ہے تو پھر ملک، ہماری اکثریت والے دین ہی کا کیا قصور ہے کہ اس کو بدل کر زمانے کے تقاضوں کے مطابق بنایا جائے بلکہ پاکستان میں تمام مذاہب اور تمام فرقوں کے مسلک کی اصلاح کا بیڑا اٹھانا چاہیئے ---- حیرت کا مقام ہے۔ کہ جس ملک میں خالص عقلی و فکری مسائل میں جمہور کو رائے دینے کا حق نہیں ہے، اس ملک میں مذہبی تشریح جمہور ملت اور عوام معاشرہ کی رائے سے طے کی جائے، یہ بدترین قسم کی انارکی ہے جو تجدد کے نام سے پیدا کی جا رہی ہے۔

(مولانا احتشام الحق تھانوی)

ادارہ تحقیقات اسلامیہ | آپ کے مجلہ میں مولانا محمد یوسف صاحب کا ادارہ تحقیقات اسلامیہ کا "ماڈرن اسلام" بے حد پسند آیا، پیش نظر شمارہ میں تیسری قسط شائع ہوئی ہے۔ جی چاہتا ہے کہ اس مضمون کی تمام اقساط پڑھ لوں، مذکورہ ادارہ تحقیقات جس طرز فکر سے اسلامی عقائد اور اسلامی افکار کی تشریح و تبلیغ کر رہا ہے، یقیناً قابل تردید اور راسخ العقیدہ علماء کیلئے باعث عبرت ہے۔

(سید احتشام بن حسن انسٹیٹوٹ آف اسلامک اسٹڈیز مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔ انڈیا)

مشرقی پاکستان کے احباب سے | میرے خیال میں الحق کا چرچا مشرقی پاکستان میں بہت کم ہے۔ میری انتہائی خواہش ہے کہ اس جیسا دعوتِ حق کا علمبردار علمی اور تحقیقی مضامین پر مشتمل رسالہ سے یہ خطہ محروم نہ رہے۔ اس لئے جامعہ کے طلباء اور "مجلس اساتذہ" میں اس کا خوب چرچا کیا۔ مجلس اساتذہ نے الحق کی خدمات کو بہت سراہا اور مسرت ظاہر کی۔ مدیر جامعہ حضرت شیخ مولانا شمس الحق فریدپوری نے جامعہ کی جمعیۃ طلباء کو خریدار بننے کا مشورہ دیا۔

(مولانا عبدالحکیم سلہٹی استاد جامعہ قرآنیہ لالباغ۔ ڈھاکہ)

ادارہ الحق مولانا موصوف کے مخلصانہ تعاون اور توجہات کا بہ خلوص شکریہ ادا کرتے ہوئے مشرقی پاکستان کے مخلص قارئین اہل علم سے الحق کی اشاعت اور تعارف کرانے کی اپیل کرتا ہے ۔۔۔ (ادارہ)

اجازت | رسالہ الحق پیامِ ملت کانپور کے تبادلہ میں بحمدہ برابر موصول ہو رہا ہے جو بفضلہ اسم بامسمیٰ ہے ہماری تمنا ہے کہ الحق کے بعض مضامین جو یہاں کے لئے مفید معلوم ہوں۔ پیام ملت اسکی اشاعت کے لئے مجاز بنایا جائے۔

(مینیجر پندرہ روزہ پیام ملت کانپور انڈیا)

ادارہ الحق کے حوالہ سے اپنے مضامین کی اشاعت کی بخوشی اجازت دیتا ہے۔

(ادارہ)

دعائے صحت | اماں جی کی طبیعت بے حد خراب ہے کینسر کا زخم سارے منہ حلق اور گلے تک آگیا ہے ہر وقت زخم میں ٹیس ہوتی ہے۔ دعائے خیر سے یاد فرما دیں۔ (سید ازہر شاہ قیصر مدیر "دارالعلوم" دیوبند)

قارئین الحق سے حضرت محدث عصر مولانا انور شاہ کشمیریؒ کی رفیقہ محترمہ کی صحت و عافیت تامہ کیلئے دعا کی درخواست ہے۔ (ادارہ)

جبری بندش | المنبر ۲ مارچ ۱۹۶۸ء سے جبری تعطل کا شکار ہے۔ خلوص دل سے دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ خدمت دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کے اس ذریعہ کو باقی رکھے، اور پہلے اخلاص کے ساتھ حمایت حق کی توفیق عطا فرما دے۔ ہمارا سب سے بڑا ہتھیار اللہ تعالیٰ مالک الملک کے حضور میں دعا کرنا ہے۔ اور آپ سے بھی اسی کی استدعا ہے۔

(مولانا عبدالرحیم اشرف۔ لائلپور)

ادارہ الحق تمام قارئین کو اس دعا میں شریک کرتا ہے۔ خداوند کریم ابتلاء و آزمائش کی ان گھڑیوں کو استقامت و عزیمت کیساتھ ختم فرما کر المنبر کو دوبارہ خدمت حق و اعلاء کلمۃ اللہ کی توفیق دے۔ مولانا جوہر مرحوم کا شعر ہے

خوگر جور پہ تھوڑی سی جفا اور سہی
اس قدر ظلم پہ موقوف ہے کیا اور سہی

خطبۂ جمعہ | حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم کا خطبۂ جمعہ اگر بالالتزام آتا رہے تو نہایت مفید رہیگا۔ اور اس سے خطباء حضرات کو بہت ہی فائدہ پہنچے گا۔ جہاں تک ممکن ہوا ہم الحق کی ترقی کے لئے کوشاں رہیں گے۔ وباللہ التوفیق۔ (مولانا محمد شعیب لاہور)

انشاء اللہ حتی الوسع خطبۂ جمعہ پیش کرنے کی سعی کی جائیگی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو الحق کے فروغ و اشاعت میں حصہ لینے کا اجر عطا فرمادے۔ آمین۔ (ادارہ)

اکبر دی گریٹ کا ماڈرن اسلام | الحق کا پرچہ نور افزائے دیدہ و دل ہوا (اکبر دی گریٹ کا ماڈرن اسلام) پر آپ نے کافی شافی لکھا۔ حق تعالیٰ جزائے خیر دیں۔ کہنا چاہئے کہ میرے منہ سے بات چھین لی۔ فجزاکم اللہ احسن الجزاء وایدکم بنجاعۃ الطائفۃ۔ ہوسکے تو اس مضمون کی دو قسطیں کر دیجئے۔ دوسرے حصہ میں حضرت مجددؒ صاحب کی تنقیدیں اور اصلاح احوال کی کوششیں ذکر کیجئے۔ (محمد یوسف ماموں کانجن مدیر بینات کراچی)

● آپ کے اداریے یوں تو ماشاء اللہ ہر شمارے میں بہت مفید اور جاندار ہوتے ہیں۔ مگر خاص طور سے اس شمارے کا اداریہ بہت پُر مغز ہے۔ پڑھ کر آپ کے لئے دل سے دعائیں نکلیں ——— اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ (محمد تقی عثمانی مدیر البلاغ کراچی)

● آپ کے اداریہ پر صمیم قلب سے دلی مبارکباد پیش خدمت ہے۔ آپ نے نہایت اور ضروری مسئلہ پر بروقت قلم اٹھایا ہے۔ بار بار پڑھا اور حسن ترتیب پر عش عش کر اٹھا۔ الٰہ العالمین الحق کو قوم و ملت کیلئے ہدایت کا مینار بنا کر اسے لوگوں کے دلوں میں جذبۂ حق کا ولولہ پیدا کرنے کا ذریعہ بنا دے۔ (قاضی فضل حیان عمرزئی)

● اس مرتبہ کا نقش آغاز خاص طور پر وقتی ضرورت کو باحسن وجوہ پورا کر رہا ہے۔ جزاک اللہ و بارک اللہ ——— (غلام محمد بی اے۔ کراچی)

اعلان	انٹرنیشنل تبلیغی مشن انگلستان کے ناظم جناب راؤ شمشیر علی خان صاحب آجکل پاکستان آئے ہوئے ہیں۔ ملنے والے شائقین حسب ذیل پتہ پر ۲۰ جون تک ملاقات کرسکتے ہیں۔ راؤ شمشیر علی خان۔ حال وارد۔ احمد نگر، تحصیل وزیر آباد۔

مدرسہ تجوید القرآن	بنوں کی مسجد حق نواز خان میں بچوں کو قرآن شریف حفظ و ناظرہ اور علم تجوید کی تعلیم کے لئے مدرسہ قائم کیا گیا ہے۔ مدرسہ طلباء کی ضروریات کا کفیل ہوگا۔ اصحاب ثروت سے تعاون کی امید ہے۔ (قاری حضرت گل مسجد حق نواز خان۔ بنوں شہر)

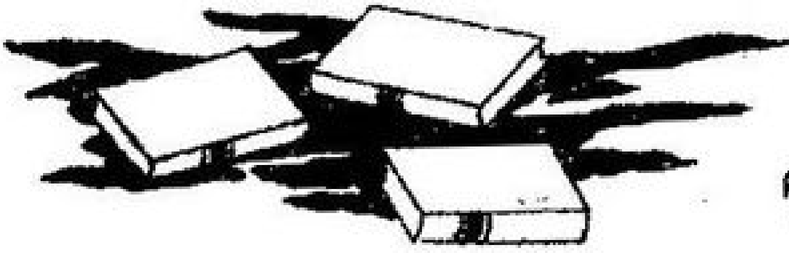

تعارف وتبصرہ

ماہنامہ البلاغ سرپرست حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ۔ مرتب مولانا محمد تقی عثمانی۔ سالانہ چندہ چھ روپے۔ غیر ممالک ایک پونڈ۔ ناشر دارالعلوم کراچی ۱۴!

البلاغ دارالعلوم کراچی کاعلمی، دینی، اصلاحی اور دعوتی ماہنامہ ہے، جو پچھلے ماہ محرم الحرام سے حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کی سرپرستی میں پوری آب وتاب اور صوری ومعنوی رعنائیوں سے منصۂ صحافت پر جلوہ گر ہوا ہے۔ اب تک اس کے دو شمارے نکلے ہیں۔ مضامین علمی اور اس سے زیادہ دعوتی و اصلاحی رنگ رکھتے ہیں۔ عالم اسلام کے احوال و وقائع اور معلومات جدیدہ پر بھی کافی مواد موجود ہے۔ حضرت مفتی اعظم مدظلہٗ کی فقیہانہ اور حکیمانہ تفسیر "معارف القرآن" اور دیگر افادات البلاغ کا طغرائے امتیاز ہیں۔ ہمارے ہاں خالص دینی اور علمی صحافت کا جو خلا رپایا جاتا تھا بحمداللہ یہ خلا بھی دوچار مدارس عربیہ کے وقیع اور سنجیدہ شہری مجلات سے پر ہوتا نظر آرہا ہے۔ کچھ لوگ دو ایک سال قبل علماء پر آوازے کستے تھے کہ یہ میدانِ قلم وقرطاس کے نہیں ہیں۔ مگر آج وہی خیرہ چشم ان دوچار رسائل کی روشنی سے حیران وتالاں ہیں۔ اور دہائی دے رہے ہیں کہ علماء حق کی حقانی ضربوں سے ہمیں بچایا جائے۔ مگر الحمدللہ کہ بقول ایک دوست کے "اب زلفِ دراز کا یہ سلسلہ کراچی سے پشاور تک قائم ہو چکا ہے واللہ الموفق۔" درحقیقت آج صحافت واشاعت کا محاذ علماء حق کے لئے کسی کم توجہ کا مستحق نہیں۔ بلاشبہ یہ شہری مجلات بمنزلہ "ثغور اسلام" اور ان کی ترویج واشاعت "رباط فی سبیل اللہ" کے برابر ہے اور بقول حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ ــــ امروز آں روز ست کہ عمل قلیل را باجر جلیل باعتنائے تمام قبول می فرمائید ایں جہاد قولی کہ امروز شمارا میسر شدہ است جہاد اکبر ست ــــ "وایں جہاد گفتن را بہ از جہاد کشتن دانید" ــــ امید ہے کہ برادر محترم مولانا محمد تقی عثمانی بی اے کے پاکیزہ علمی وادبی ذوق اور شوق وولولہ سے "البلاغ" فریضۂ ابلاغ حق میں بہتر سے بہتر مقام حاصل کرسکے گا۔ دعوت واصلاح کا طریق احسن بہرحال حکمت وموعظہ کا طریق ہے مگر اس راہ حق میں جو رکاوٹیں اور کانٹے علمی ودینی فتنوں کی شکل میں حائل ہوں، ایک داعی کے لئے اسکی بیخ کنی بھی ناگزیر ہوتی ہے۔ توقع ہے کہ البلاغ پوری سختی سے (سنجیدگی اور متانت اور جذبہ خیر خواہی کو نباہتے ہوئے بھی) باطل کے علمی اور تحقیقی تعاقب میں پیش پیش ہوگا۔ خلوص ومحبت سے بھرپور جذبات سے ہم اپنے رفیق طریق البلاغ کا خیر مقدم کرتے ہیں اور اس کی عنداللہ مقبولیت کے متمنی ہیں ــــ۔

ایک اہم علمی تقریر
(عربی مع ترجمہ)

محدث عصر مولانا انور شاہ کشمیریؒ ۔ صفحات ۴۰
ناشر مدرسہ اشاعت العلوم جامع مسجد لائل پور

مصر کے مشہور ناقد اور بصیر عالم و مصنف علامہ سید رشید رضا مرحوم ۱۳۳۰ھ میں ہندوستان کے ایک سفر کے دوران عالم اسلام کی مایۂ ناز درسگاہ دارالعلوم دیوبند تشریف لائے ان کے اعزاز میں جو استقبالیہ تقریب منعقد ہوئی اس میں علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ نے عربی میں ایک بلند پایہ عالمانہ تقریر فرمائی۔ اس مجلس میں علامہ رشید رضاؒ کے علاوہ اس وقت کے صدر المحدثین شیخ العالم مولانا محمود الحسن صاحب اور دارالعلوم کے تمام اساتذہ اور بے شمار علماء بھی موجود تھے۔ فی البدیہہ مگر یہ فصیح و بلیغ تقریر اساتذہ دیوبند کی فقاہت، ذہن ثاقب، تبحر علمی، رسوخ فی العلم، فہم سلیم، اور تطبیق روایات اور توسط اعتدال کا ایک یادگار نمونہ تھی جس سے بجا طور پر معزز مہمان اور حاضرین متاثر ہوئے۔ علوم حدیث کے اشتغال وانہماک کے یہی نمونے تھے جس کی وجہ سے بعد میں علامہ رشید رضا مرحوم کو اعتراف کرنا پڑا کہ ولولا عنایۃ اخواننا علماء الھند بعلوم الحدیث فی ھذا العصر لقضی علیھا بالزوال۔ مقدمہ مفتاح کنوز السنۃ ص۲ (اگر ہمارے بھائی ہندوستانی علماء کا اتنا انہماک اس زمانہ میں علوم الحدیث سے نہ ہوتا تو (خدانخواستہ) اس علم کے زوال کا فیصلہ ہو چکا ہوتا۔) ــــ مدرسہ اشاعت العلوم لائلپور نے نہ صرف عربی تقریر شائع فرما کر اہل علم پر احسان کیا بلکہ مولانا مفتی سیاح الدین صاحب نے اس کا سلیس ترجمہ کر کے عربی نہ جاننے والوں کو بھی اس سے استفادہ کا موقعہ عطا فرمایا۔ امید ہے اہل علم اور احادیث پڑھنے اور پڑھانے والے اس سے استفادہ کریں گے۔ کتابت و طباعت دیدہ زیب ہے۔ مگر اس چھوٹے سے کتابچہ میں پچاس ساٹھ اغلاط کا پایا جانا قابل افسوس ہے گو "صحت نامہ" سے اسکی تلافی کی گئی ہے مگر اس ہنگامہ آفریں دور میں یہ اغلاط نامے کسی کام کے نہیں ہوتے۔ اتنی غلطیوں کے ہوتے ہوئے تو کتاب کی دوبارہ طباعت مناسب تھی ــــ

سیرت بایزید

از مولانا فضل احمد عارف ۔ صفحات ۱۷۶ ۔ قیمت دو روپے۔
ناشر سنگ میل پبلیکیشنز ۔ لاہور

اس کتاب میں مشہور زمانہ عارف و زاہد بزرگ حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ کی پاکیزہ زندگی ریاضات و مجاہدات اور ان کے عارفانہ افکار و سوانح پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ باب دوم میں معاصر مشائخ و تلامذہ اور حضرت کے مسترشدین و معتقدین اور سلاسل رشد و ہدایت کا تذکرہ بھی آگیا ہے۔ ایسے بزرگوں کی زندگیاں پوری امت کے لئے مینارہ ہدایت ہوتی ہیں۔ فاضل مصنف مولانا فضل احمد عارف نے

(جن کا تصوف محبوب موضوع ہے) حضرت بایزیدؒ کی سیرت مرتب کرکے اہم خدمت سرانجام دی ہے۔ سوانح نگاری کرتے ہوئے تحقیق و بصیرت کا دامن بھی نہیں چھوٹا۔ ایسے اکابر اولیاء اللہ کے سوانح خطوط اسلام کے تصوف خالصہ کا معیار ہوتے ہیں کہ انہوں نے "سندانِ عشق" کے ساتھ "جامِ شریعت" کو بھی مضبوطی سے تھامے رکھا۔ تصوف جو درحقیقت نام ہی ہے شریعت و اتباع سنت کا افسوس کہ ظاہربین اور سطحی اذہان کی کج فہمی یا پھر جاہل متصوفین کی غلط کاریوں نے لوگوں کی نگاہ میں اسے اسلام کا حریف بنا دیا۔ بایزید بسطامی کی زندگی اسلام کے تصوفِ خالصہ، تزکیہ نفس اور تہذیب اخلاق کا ایک بہترین نمونہ ہے۔ حضرت سید علیؒ ہجویری کی روائیت سے حضرت بایزیدؒ کا یہ مقولہ کتنا جامع ہے کہ "ولی وہ ہوتا ہے جو نفس کا بندہ نہ ہو اور صبر و تحمل کے ساتھ خدا کے اوامر و نواہی کی تکمیل کرے ..." اسی طرح حضرت بایزیدؒ کا یہ ارشاد بھی آب زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ کسی شخص کو ہوا میں بھی اڑتے دیکھو تب بھی اسے ولی سمجھنے کا دھوکہ نہ کھانا جب تک اوامر و نواہی کی تعمیل شریعت کی ادائیگی اور اس کے حدود قائم رکھنے میں اسے آزما نہ لو ......

خاندانی منصوبہ بندی

شائع کردہ اسلامی محاذ ڈیرہ اسماعیل خان۔ قیمت ہر پمفلٹ پچیس پیسے

اسلامی محاذ کے ان تبلیغی پمفلٹوں میں خاندانی منصوبہ بندی کے اخلاقی، شرعی، اور سیاسی خطرات پر مشاہیر کے اقوال اور بعض اخبارات و رسائل کے مبنی بر حقائق اقتباسات پیش کئے گئے ہیں۔ اس وقت جو دو ورقہ پمفلٹ ہمارے سامنے ہیں ان کے نام یہ ہیں:۔ خاندانی منصوبہ بندی اہل یورپ کی نظر میں، خاندانی منصوبہ بندی سے صحت کی تباہی۔ خاندانی منصوبہ بندی سوئیکارنو، اقبال وغیرہ کی رائے۔ خاندانی منصوبہ بندی چالیس ممالک کے ایک سو علماء اور مفتی اعظم پاکستان کی نظر میں۔ فیملی منصوبہ بندی کی تحریک جن تباہ کن اخلاقی اور سماجی خرابیوں کو اپنے ساتھ لا رہی ہے۔ متحدہ اسلامی محاذ نے ان پمفلٹوں کے ذریعہ اس پر تنبیہہ فرما کر ایک اہم دینی تقاضے کا لحاظ کیا ہے۔ ہمیں توقع ہے کہ حکومت دلائل اور شواہد کی روشنی میں اس تحریک کے مخالفین کو بھی اپنا نقطۂ نگاہ پیش کرنے میں وسیع النظری سے کام لے گی کہ مسئلہ دونوں کی نگاہ میں ملک و ملت کی فلاح و بہبود اور تباہی کا ہے۔

اسلام اور عورت

ناشر انجمن فلاح المسلمین کاغذی بازار کراچی ۲ صفحات ۶۴

اسلام اور عورت انجمن فلاح المسلمین کے تبلیغی سلسلہ کا چھوٹا کتابچہ ہے، جس میں اسلام میں عورت کے حقوق، حقیقی منصب، قدر و منزلت شرعی پردہ اور اس کے مذہبی، علمی اور سیاسی کارناموں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ البتہ عورت کا مقام سیاست مدنیہ نہیں، تدبیر منزل ہے۔

وہ شمع محفل نہیں چراغِ خانہ ہے۔ چند اتفاقی اور اضطراری شالوں سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ اسلام نے سیاست میں بھی ان کو مردوں پر ایسا درجہ دیا ہے کہ مرد بھی رشک کریں ص۴۳ غلط ہے۔ بیشک عورت کے معاہدوں اور امان دینے کا احترام شریعت نے ملحوظ رکھا ہے۔ مگر اسے عورت کو سیاست میں کھلی چھٹی قرار دینا غلط استدلال ہے۔ صریح شرعی ممانعت کے ہوتے ہوئے چاند سلطانہ، نورجہاں، اور زبیدہ کی سیاست اور جہانبانی کی مثالیں کوئی حجت شرعی نہیں بن سکتی ہیں۔ عورت کا اصل مقام وہی ہے جس پہ کتاب کے پہلے حصہ میں روشنی ڈالی گئی ہے نہ کہ سیاست، مجموعی لحاظ سے کتاب کا مطالعہ مفید ہے۔ اور انجمن کی تبلیغی مساعی قابلِ تحسین ہیں ——۔۔

دار العلوم حقانیہ کی تبلیغی مطبوعات

۱۔ انسانی فضیلت کا راز۔ تقریر۔ از قاری محمد طیب صاحب مدظلہ	ایک روپیہ
۲۔ ارشادات حکیم الاسلام۔ (معجزات انبیاء وغیرہ)	پچاس پیسے
۳۔ مقام صحابہ و مسئلہ خلافت و شہادت۔ تقریر از شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب	ایک روپیہ
۴۔ علم کے تقاضے اور اہلِ علم کی ذمہ داریاں۔ " "	بارہ پیسے
۵۔ صیام رمضان۔ " "	بارہ پیسے
۶۔ ناموسِ رسالت " "	بارہ پیسے
۷۔ خدائی نعمتوں کے حقوق اور تقاضے۔ تقریر از مولانا عبدالغفور صاحب مدنیہ۔	بارہ پیسے

شعبۂ نشر و اشاعت :- دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع پشاور

موتیا روک
۔ موتیا روک موتیا بند کا بلا اپریشن علاج ہے۔
۔ موتیا روک دھند، جالا، پھولا، ککروں کے لئے بھی بے حد مفید ہے۔
۔ موتیا روک بینائی کو تیز کرتا ہے۔ اور چشمہ کی ضرورت نہیں رہتا۔
۔ موتیا روک آنکھ کے ہر مرض کے لئے مفید تر ہے۔
بیت الحکمت
لوہاری منڈی لاہور

خوبصورت، نفیس، پائیدار
چرمی جلد۔ شیراز بندی۔ جز بندی
اور
مصری و شامی جلد بندی۔
کیلئے یاد رکھیے
وزیر محمد جلد ساز شارع مسجد سبی بلوچستان

تسکینی

موسم گرما کی شدّت اور تپش میں کمی کرنے والی دوا

موسم گرما کی شدّت، تپش، دھوپ اور لُو کی ایذا رسانی ناقابلِ برداشت تکالیف کی بنیاد ہے۔ سوائے چند پہاڑی علاقوں کے یہ تکلیف ایسی ہے، کہ نہ کھانے کا مزا نہ پہننے کا لُطف، انسان چاہتا ہے کہ کسی سرد خانے میں گھُسا رہے۔ پیاس کی شدّت اس موسم کا سب سے بڑا دکھ ہے۔ سیروں پانی پی جائیے طبیعت سیر ہی نہیں ہوتی، اس موسم میں جسم پر گرمی دانے، خارش اور پھنسیاں زیادہ نکلتی ہیں۔ گویا کسی پہلو چین نصیب نہیں ہوتا۔ موسم گرما کی ان تکالیف کے پیشِ نظر ادارہ نے برسوں کے تجربات کے بعد ایک دوا ایجاد کی ہے۔ جس کا نام **تسکینی** ہے۔ بلاشبہ تسکینی موسم گرما میں آپ کی تسکین کا سامان پیدا کرتی ہے۔ دل کی دھڑکن اور اختلاج کو اعتدال پر رکھتی ہے۔ جگر کی گرمی کا ازالہ کرکے تعدیلِ مزاج کا سبب بنتی ہے۔ پیاس معمول سے زیادہ نہیں بڑھتی، سیروں اور بار بار پانی پینے کی ضرورت نہیں پڑتی اس لئے معدہ زیادہ نہیں بگڑتا۔ ہضم کا نظام صحیح طریقہ سے اپنے فرائض سر انجام دیتا ہے۔ تسکینی موسم گرما کی شدّت میں تسکین کا باعث بنتی ہے۔ گرمی کے جوش و ہیجان کو اعتدال پر رکھتی ہے۔ اعتدال سے پسینہ، اعتدال سے پیاس، اور معتدل حرارت، گویا مزاج کو اعتدال پر رکھتی ہے۔ اور ہر قسم کی برہمی سے بچاتی ہے۔ تسکینی موسم گرما میں ایک نعمت ہے۔ جو مختلف قسم کی تکالیف سے نجات بخشتی ہے۔ تسکینی آپ کی حقیقی راحت کا باعث ہے۔ چونکہ تسکینی کی ہر گھر میں موسم گرما کے دوران مستقل ضرورت رہتی ہے، دن میں تین چار بار اسکی دو دو ٹکیہ کھا لینی چاہئیں کسی شربت ستی یا سرد پانی کے ساتھ تو یقیناً فرحت بخش ثابت ہوں گی۔ بچوں کو نصف سے ایک ٹکیہ مطابق عمر دے سکتے ہیں۔ ۴۰ ٹکیہ کی شیشی ۱/۸۵ روپیہ میں ہر جگہ سے ملتی ہے۔ یا صدر دفتر سے طلب فرمائیے۔ ۵۰۰ ٹکیہ ۲۵/۲۱ روپے ــــ خارش پھوڑے پھنسی کی شکایت میں جہاں آپ ہماری مقبول و معروف دوا صیفولین استعمال کریں، وہاں ساتھ ہی تسکینی بھی دن میں دو یا تین بار استعمال کرتے رہیں تو تکالیف سے جلد شفا حاصل ہو جائے گی ــــ

اشرف لیبارٹریز ۳۴۹ جناح کالونی۔ لائل پور

REGD :— L. No. 7681 JUNE 1967

مختصر قواعد

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

(۱) الحق ہر انگریزی مہینہ کے پہلے ہفتے میں شائع ہوتا ہے۔

(۲) جن حضرات کو ۲۰ تاریخ تک بھی پرچہ نہ ملے تو وہ نمبر خریداری کے حوالہ سے ۲۸ تاریخ سے قبل دوبارہ رسالہ منگوا سکتے ہیں۔ اس کے بعد ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا

(۳) جملہ امور کے لئے خط و کتابت مینیجر رسالہ سے کی جائے۔

(۴) جملہ مضامین یا تبصرے کی کتابیں مدیر رسالہ کے نام ارسال کی جائیں۔

(۵) جملہ مضامین یا تبصروں کی اشاعت ادارہ کے صوابدید پر ہوگی۔

(۶) الحق میں شائع شدہ مضامین بلا اجازت رسائل یا کتابی شکل میں شائع نہ ہوسکیں گے۔

(۷) خط و کتابت اور منی آرڈر کے کوپن پر اپنا پورا پتہ اور نمبر خریداری لکھنا چاہیئے۔

دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک (پشاور) مغربی پاکستان

مطبوعہ حام پریس پشاور